عہد نبوی ﷺ کے اقطاع وعطایا کے سیاسی اثرات

ادیبہ صدیقی

فیوڈل ازم اور اِقطاع کا تقابلی جائزہ

اِقطاع کا ادارہ یا نظام شاید سب سے زیادہ غلط سمجھا جانے والا واحد نظام ہے اور اس ابہام کی سب سے بڑی اور اہم وجہ دریائے نیل سے دریائے جیحون یا آموتک کے علاقے کے اِقطاع کے ادارے کا یورپ کے جاگیرداری نظام کے مساوی کرنا اور اس کے برابر لا کھڑا کرنا ہے۔(۱)

اگر تاریخی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دو نظاموں کا موازنہ کیا جائے تو ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے سے یک سر مختلف ہیں، بل کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ اس طرح کے جاگیرداری نظام کے شکنجے میں صدیوں سے جکڑی انسانیت کو آزاد کرے۔ وہ کس طرح ایک ایسے نظام کا حامی ہوسکتا ہے؟

اسلام کی بہ جائے اگر ہم کچھ ظاہری خصوصیات سے مشابہ ہونے کی بنا پر مسلمان حکم رانوں کے دورِ حکومت کے اِقطاع کے نظام کا جائزہ لیں تو باوجود کچھ ظاہری مشابہت کے، ان کا بھی تقابل یورپی جاگیر داری نظام سے نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ہم ان خصوصیات پر نظر ڈالیں، جو یورپی جاگیرداری نظام میں پائی جاتی تھیں تو یہ سوال ہم اُن یورپی مصنفین اور ان کے مقلّدین سے جنھوں نے اسلامی جاگیرداری نظام کا تصور پیش کیا، کر سکتے ہیں کہ یورپی فیوڈل ازم جیسا جاگیرداری نظام اسلامی تاریخ میں کب اور کہاں دیکھنے میں آیا ہے؟ یا اُس کا کوئی وجود رہا ہے؟ کچھ ظاہری مشابہت کو وجہ بنا کر پورے اسلامی نظام کو جاگیردارانہ نظام کے ساتھ مساوی قرار دینا ایک مثبت اور غیر جانب دارانہ تجزیہ اور تحقیق نہیں ہوسکتی۔ اس کا مقصد

صرف اسلام اور اس کے نظام حیات کو کسی نہ کسی طرح سے کم زور دلائل کی بنا پر، جسے معمولی نوعیت کی تحقیق سے بھی غلط ثابت کیا جاسکتا ہے، بدنام کرنا ہے۔

اسی مقصد کے تحت Islamic Feudalism جیسی متنازعہ اصطلاح کا استعمال شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

ہم اپنے اس دعوے کی وضاحت کے لیے ابتدا میں فیوڈل ازم کی چند اہم خصوصیات کے ساتھ اِقطاع کا تقابل مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔

زرعی غلامی

فیوڈل ازم کی سب سے اہم خصوصیت کسان کا اپنے مالک یا جاگیردار کا ہمیشہ کے لیے غلام ہونا تھا۔ جاگیردار جب چاہتا، جتنی چاہتا اس سے مشقت لیتا۔ یہ ایک طرح سے بے دام غلام تھا، جو ہر اعتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند تھا۔ ان زرعی غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ جاگیردار زمین کو بیچنے کے ساتھ انہیں بھی بیچ دیتا اور زمین کے ساتھ یہ بھی دوسرے مالک کو منتقل ہو جاتے تھے۔

اسلام میں کسی ایسی جبری مشقت یا غلامی کا تصور نہیں اور نہ ہی وہ کسی ایسے ضوابط کو تسلیم کرتا ہے جو سراسر ظلم اور استحصال پر مبنی ہو۔ اسلام تو وہ دین ہے، جس نے غلامی کے تمام راستوں پر قدغن لگائی اور غلاموں کے اتنے حقوق مقرر فرمائے کہ ان پر ظلم اور جبر کرنا ممکن نہ رہا اور اس نے غلامی کی صورت کو عملاً ختم کر دیا۔ (۲) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

هُمْ اِخْوَانُكُمْ (۳)

وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حضرت بلال حبشیؓ کی مثال لے لیجیے، جو اُمیہ بن خلف جو قریش کے سردار اُمیہ بن خلف کے غلام تھے اور قبول اسلام کے بعد انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی وجہ سے خرید کر آزاد کرا لیا تھا۔ (۴) بعد ازاں اسلامی معاشرے میں انہیں جتنی عزت اور رتبہ ملا، وہ ہم سب جانتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

ابوبکر سَيِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَيِّدَنَا (۵)

ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار (بلالؓ) کو آزاد کرایا۔

کیا اسلام کے علاوہ کوئی معاشرہ کسی سابقہ غلام کو ایسی عزت دے سکتا ہے، جو اسلام نے حضرت بلالؓ اور اُن جیسے کئی دوسرے غلاموں کو دی؟ اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے غلام کو وہی پہناتے، جو وہ خود پہنتے تھے اور اسے اپنے ساتھ ہی کھلاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صحابی حضرت محرور بن سویدؒ حضرت ابوذر غفاریؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے جسم پر جو لباس ہے، ویسا ہی لباس ان کے غلام کے جسم پر بھی ہے۔ جب حضرت محرورؒ نے ان سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب میں آپ ﷺ کے الفاظ مبارک بیان کر دیے:

إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِينُوهُمْ (٦)

تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری ماتحتی میں دے رکھا ہے۔ اس لیے جس کا بھی کوئی بھائی اس کے ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہو اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہو اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے، اگر ڈالے تو ان کی مدد بھی کیا کرے۔

نبی کریم ﷺ نے غلاموں کے حقوق اور ان سے حسنِ سلوک کی اس حد تک تلقین کی ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر جو آخری الفاظ تھے، وہ نماز اور غلاموں سے متعلق ہی تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

الصَّلٰوةَ الصَّلٰوةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (٧)

نماز، نماز اور تمہارے غلام۔

کیا اسلام سے بڑھ کر کسی اور مذہب یا معاشرے میں اس حد تک غلاموں کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے؟ آج جو لوگ یہ اعتراض اُٹھا رہے ہیں کہ اسلام غلامی کو جائز قرار دیتا ہے، وہ اسلام اور اس کی روح سے بالکل نابلد ہیں۔ اگر وہ اسلام کی تعلیمات کے علاوہ اسلامی معاشرے کا بھی جائزہ لے لیں تو انہیں غلاموں سے متعلق اسلام کا تصور سمجھ آ سکتا ہے۔

اسی سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ پیش ہے، حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ سے شام کے علاقے فلسطین تشریف لے گئے تو آپؓ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک غلام بھی ساتھ تھا۔ تو آپؓ نے

غلام کے ساتھ باری مقرر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے اور میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا اور تم سواری کرو گے۔ کل ایک مہینے کا سفر تھا اور اسی طرح یہ لوگ برابر باری باری سوار ہوتے ہوئے شام پہنچے۔ اُن دنوں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر فاروقؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو استقبال کے لیے ایک زبردست مجمع باہر آیا کہ وہ امیر المؤمنین آ رہے ہیں، جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ جب وہ مقام آیا، جہاں پر استقبال کرنے والے آپؓ کو دیکھ سکتے تھے تو اس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آ گیا۔ چناں چہ آپؓ اس شہر میں ایسی حالت میں داخل ہوئے کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اس کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ (۸)

اسلامی تاریخ اس طرح کی مثالوں اور واقعات سے بھری پڑی ہے، لیکن اس کے مقابلے میں متمدن یورپ کی تاریخ کو شروع سے آخر تک کھنگال لیں تو ایک مثال یا واقعہ بھی اس کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لیے بھی بہت اہم اقدامات کیے اور اسلامی معاشرے میں غلام وہ ہوتے تھے، جو جنگوں میں پکڑے جاتے تھے۔ اسلام نے ان کے آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بتا دیے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی ملنے لگی۔ اس کی پہلی صورت تو مکاتبہ ہے۔ جس میں غلام یا لونڈی اپنے مالک کو اس کی مقرر کردہ رقم ادا کر کے اُس سے آزادی کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔ ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔ (۹)

اس کے علاوہ اسلام میں غلام کو آزاد کرنے کا بہت ثواب ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امرَءً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّار (۱۰)

جس شخص نے بھی کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔

ثواب اور فضیلت کے علاوہ بھی چار قسم کے معاملات ایسے ہیں، جن کے کفارے میں غلام آزاد کرنا سرفہرست ہے، جن کی تفصیل یوں ہے:

پہلا معاملہ

پہلا معاملہ قتل خطا سے متعلق ہے کہ اگر کسی سے کوئی قتل غلطی سے ہو گیا ہو تو ایسے قتل کی دیت واجب ہے اور اس دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ مُؤْمِنَةٍ وَ دِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ (۱۱)

اور کسی مومن کے شایانِ شان نہیں کہ دوسرے مومن کو مار ڈالے، مگر غلطی سے اور اگر غلطی سے بھی مومن کو مار ڈالے تو وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔

دوسرا معاملہ

دوسرا معاملہ ظہار سے متعلق ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر ویسے حرام ہو، جیسے میری ماں۔ تو ایسا کہنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے، اسے ظہار کہتے ہیں۔ ظہار کا کفارہ بھی ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ مجادلہ میں فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا (۱۲)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھے، پھر اپنے قول سے رجوع کریں تو ان کو قربت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔

تیسرا معاملہ

تیسرا معاملہ جان بوجھ کر روزہ توڑنا ہے۔ اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ رکھے اور پھر جان بوجھ کر توڑے تو اس کا کفارہ بھی ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اس سے متعلق صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ ایک شخص کو جس سے رمضان کا روزہ جان بوجھ کر ٹوٹ گیا تھا، اس سے بہ طور کفارہ سب سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنے کا فرماتے ہیں۔ (۱۳)

چوتھا معاملہ

چوتھا معاملہ قسم توڑنے سے متعلق ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اسے توڑ دے تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا دینا یا پھر غلام آزاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ (۱۴)

اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا، لیکن پختہ قسموں پر، جن کے خلاف کرو گے تو مواخذہ کرے گا اور اس کا کفارہ دس ناداروں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

مندرجہ بالا چاروں صورتوں اور معاملوں میں کفارے کے لیے ہر جگہ غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر وہ نہ ہو تو پھر روزہ رکھنے کا حکم ہے۔

اس کے علاوہ بھی اگر کوئی مالک اپنے غلام سے کہہ دے کہ تو آزاد ہے، چاہے اس میں اس کی نیت کا دخل نہ ہو تو صرف الفاظ کی ادائیگی سے اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔ زبان سے الفاظ کی ادائیگی سے غلام آزاد ہو گیا اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ معاملہ بالکل طلاق جیسا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے، خواہ نیت نہ ہو۔ (۱۵)

مذکورہ بالا تمام اقدامات ایسے ہیں، جو اسلام میں غلامی کے خاتمے کے لیے اُٹھائے گئے ہیں۔ یہ مثالیں تو اسلام کے ابتدائی عہد کے معاشرے سے دی گئی ہیں۔ بعد میں آنے والی اسلامی حکومتوں میں بھی کوئی ایسی زرعی غلامی کی مثال نہیں ملتی، جو قرونِ وسطیٰ کے جاگیرداری نظام کی غلامی سے مطابقت رکھتی ہو، لہٰذا جس قسم کی زرعی اور دوامی غلامی کا تصور قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں تھا، اسلامی تاریخ میں ایسا کوئی تصور یا عملی تصویر کہیں بھی نظر نہیں آتی۔

کسان کی ذمے داریاں اور خدمات

یورپ کا کسان اپنے مالک جاگیردار کا زرعی غلام تھا، اس پر ہمیشہ ان سے فرائض کی ادائیگی لازم تھی، یوں تھے:

الف: ہفتے میں ایک بار پورا دن مالک کی زمین پر جبری مشقت کرنا، بغیر کسی اُجرت کے۔

ب: جب فصل کی کٹائی کا موسم آتا تو اس میں بھی جبری مشقت اور محنت کرتا اور اپنے جاگیردار سے ان خدمات کے عوض کچھ نہ لیتا۔

ج: باوجود انتہائی غربت کے مختلف تہواروں اور مواقع پر اپنے امیر ترین مالک کو تحائف دیتا۔

د: مالک کے لیے چکی پر آٹا، اس کی گندم اور دوسری زرعی اجناس کو پیسنا اور یہ سب بھی بغیر کسی معاوضے کے۔

اُسے صرف یہ اجازت ہوتی کہ وہ بھی اپنے لیے آٹا وغیرہ پیس سکتا تھا۔(۱۶)

اسلام میں جاگیردار اور کسان کے مابین اس طرح کی کسی ذمے داری اور فرائض کا تصور موجود نہیں، نہ ہی وہ اس طرح کے قوانین کو تسلیم کرتا ہے۔ اسلام صرف قانونی طور پر اس معاہدے کو، جو زمین دار اور کاشت کار کے بیچ، فصل اور پیداوار کے کچھ حصے کے بدلے زمین کو کاشت کے لیے دینے کے معاملے پر ہوتا ہے، تسلیم کرتا ہے۔ یہ معاہدہ مزارعت کہلاتا ہے۔(۱۷) اس معاہدے کے تحت کسان کو صرف مقررہ رقم زمین کی پیداوار کے تناسب سے کرائے کے طور پر ادا کرنی ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی کاشت اور اخراجات کے معاملے میں آزاد ہوتا ہے اور اس میں ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ کسان صرف مزدوری کرتا ہے، باقی سارا خرچ زمیں دار کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور آخر میں منافع میں یہ دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ جبری مشقت، آمرانہ مراعات یا کوئی ایسی ذمے داری، جو کسان کے لیے لازمی ہو کہ وہ اپنے مالک یا جاگیردار کے لیے سرانجام دے، معاہدے کی ان دونوں صورتوں میں ان تمام باتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔(۱۸)

یہ معاہدہ باہمی امداد پر مبنی ہوتا ہے، جس میں دونوں فریقوں کو برابری کی سطح پر حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ کسان کو اگر معاہدے سے اتفاق نہ ہو تو اسے ختم کرنے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔(۱۹) جیسے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یعلی بن اُمیہ (یمن کے گورنر) کو زمینوں کے معاہدات سے متعلق تحریر فرمایا کہ یمن کے علاقے کی خالی زمینیں لوگوں کو کاشت کے لیے دے دو، اگر وہ لوگ آلاتِ زراعت اور تخم فراہم کر کے کاشت کرنا چاہیں تو آدھ آدھ بٹائی ہو، معاملہ کرلو اور اگر یہ سب عمر (خلافت) کو دینا پڑے اور ان کی صرف محنت رہے تو اس صورت میں خلافت کو پیداوار کی دو تہائی ملے گی، اور ان کو ایک تہائی۔(۲۰)

دوسرا واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے متعلق ہے۔ وہ اپنے گورنروں کو زمین کے معاملات سے متعلق یہ ہدایات تحریر فرماتے ہیں:

> تمہاری طرف جو بے کار اور خالی زمینیں پڑی ہیں، ان سب کو کاشت کاروں میں تقسیم کر دو اور پیداوار کے نصف حصے پر ان سے معاملہ کرلو۔ اگر وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوں تو پیداوار کا جتنا حصہ دینے پر وہ راضی ہو جائیں، اتنے ہی پر معاملہ کرلو، حتیٰ کہ اگر دسواں حصہ خلافت کو دینے پر راضی ہوں تو اسے بھی تسلیم کر کے انہیں زمین دے دو، اگر اس پر بھی وہ تیار نہ ہوں تو ان میں مفت زمین تقسیم کر دو۔ اگر وہ مفت لینے پر آمادہ نہ ہوں تو سرکاری خزانے کے اخراجات سے زمین پر کاشت کراؤ، لیکن کسی صورت زمین بے کار رہنے نہ دو اور نہ اسے کسی سے زبردستی چھینو۔ (۲۱)

ان واقعات سے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی ادوار میں کسان اور جاگیردار کے مابین غلام اور آقا جیسا تعلق نہیں تھا، بل کہ ان کے درمیان امدادِ باہمی پر مبنی معاہدہ طے پاتا تھا، جس سے دونوں فریق فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اسلام اور اسلامی معاشرے میں کوئی کسان زرعی غلام نہیں ہوتا اور جو غلام ہوتے، ان کا معاملہ اس سے الگ ہوتا اور ان کے جتنے بھی حقوق اسلام نے بتائے ہیں، وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اس لیے بلا معاوضہ جان وروں کی طرح ان سے جبری مشقت لینا اور ان پر ظلم کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اور جہاں تک کسان اور کاشت کار کا تعلق ہے تو وہ اپنے کام کے طریق کار میں آزاد ہوتا ہے۔ اس لیے اسلامی تاریخ میں ہمیں کسی ایسے جاگیرداری نظام کا وجود نظر نہیں آتا، جس میں جاگیردار کو حکم رانی حاصل ہو اور کسان اس کے بے دام غلام کی طرح زندگی گزار رہا ہو۔

یورپ کے جاگیردارانہ نظام کا ایک اور رواج جس میں غریب کسان تہواروں اور مختلف تقریبوں میں اپنے امیر جاگیردار کو قیمتی تحائف دینے کا پابند ہوتا تھا، لیکن اسلام میں یہی رواج اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام میں صاحبِ حیثیت افراد، زمین دار ان لوگوں کو جو غریب ہوتے ہیں، مختلف تہواروں جیسے عید وغیرہ یا حکم ران کسی تقریب اور تخت نشینی کے مواقع پر اپنے غیر مذہب رعایا کو تحائف وانعامات سے نوازتا ہے۔ رمضان کا پورا مہینا ایسا ہے، جس میں امیر لوگ اپنے سے کم حیثیت لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اپنے مال و دولت کو غریبوں پر خرچ کرتے ہیں۔ (۲۲)

ایسا ہرگز نہیں کہ غریب کسان ضرور اپنے سے امیر ترین جاگیردار کو تحائف دے رہے ہوں۔ ایسا تو

صرف یورپ کی تاریخ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یورپ کے جاگیردارانہ نظام سے تنگ آ کر کسانوں نے جو بغاوتیں کیں اور تحریکیں چلائیں، ایسی ایک مثال بھی ہمیں اسلامی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی، نہ کسی مسلمان حکم ران کے دور میں کسانوں کی حالت اس حد تک پست، حقیر اور خستہ حال تھی کہ جیسی حالت قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے کسانوں کی تھی، جس نے انہیں بار بار سختی سے سر کچلنے کے باوجود اُٹھنے پر اور بغاوت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ (۲۳)

جہاں تک یورپی جاگیردار کا اپنے زرعی غلام کے دفاع کرنے کا تعلق ہے کہ وہ ان سب خدمات اور اس کی آزادی سلب کرنے کے عوض اسے تحفظ فراہم کرتا تھا اور اس کا دفاع کرتا تھا تو اسلامی معاشرے میں یہ کام رضا کارانہ طور پر بااثر شخص کرتا ہے۔ کہاں ہم بات اس اسلامی معاشرے کی کر رہے ہیں، جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جس میں بااثر افراد اپنے سے کم زور افراد کا دفاع رضا کارانہ طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کی خاطر کرتے ہیں۔ اس کے بدلے وہ اپنے سے کم زور افراد کو اپنا دائمی غلام نہیں بناتے، نہ ہی انہیں اپنی خدمات اور جبری مشقت پر مجبور کرتے ہیں۔ (۲۴)

جاگیردار کے انتظامی وعدالتی اختیارات

سب سے اہم نقطہ جو جاگیردار کو اپنے علاقے کی مطلق العنان شخصیت بناتا ہے، وہ اس کا انتظامی عدالتی اختیارات کا مکمل استعمال ہے، جو وہ اپنے علاقے کی حدود میں رہنے والے غریب اور مظلوم کسانوں پر کرتا ہے۔ وہ خود اپنی مرضی سے قوانین بناتا ہے اور ان پر لاگو کرتا ہے۔ (۲۵) اور اپنی مرضی سے ان پر فیصلے صادر کرتا ہے، جو اس کا جی چاہتا ہے، جس طرح چاہتا ہے، اس کے کرنے کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی فرد کو اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے کی یا اس کے کسی قانون سے اختلاف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسا کرنے کی صورت میں وہ اپنے قلعوں کے اندر بنے ہوئے طلسم کدوں میں انہیں عبرت ناک سزائیں دیتا ہے۔ معمولی نوعیت کے جرائم کی بھی خوف ناک سزائیں تجویز کرتا ہے۔ وہ اکیلا ہی تمام سماجی اور سیاسی نظام، جاگیر کی حدود میں چلاتا ہے۔

اسلام اس قسم کے اختیارات اور کسی ایک فرد کے مطلق العنان اقتدار کا سخت مخالف ہے۔ اسلام نے ایسے تمام آمرانہ اختیارات کا خاتمہ کیا ہے۔ خلیفۂ وقت اپنے کسی مقدمے میں عدالت پر اثر انداز نہیں

ہوسکتا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ کا واقعہ مشہور ہے، جس میں قاضی شریح ان کے دعوے کے حق میں ان کے بیٹے کی گواہی یہ کہہ کر قبول نہیں کرتے:

شهادة الابن لا تجوز للأب

بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں جائز نہیں۔

اور یوں فیصلہ خلیفۂ وقت کے خلاف سنا دیتے ہیں۔

کیا ایسی کوئی مثال فیوڈل یورپ کی تاریخ سے دی جاسکتی ہے؟ جب کہ اسلامی تاریخ اس طرح کے عدل وانصاف کے واقعات سے بھری پڑی ہے، جس میں طاقت ور کی بہ نسبت کم زور اور غریب کے حق میں فیصلے دیے گئے۔

عہد نبوی ﷺ کے اِقطاع وعطایا کے سیاسی اثرات

نبی کریم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد، یعنی ۶۲۲ء (۲۶) میں ریاستِ مدینہ کی بنیاد رکھی۔ چوں کہ ابتدا میں وہ صرف شہری مملکت تھی، لیکن اس کی توسیع بڑی تیزی سے عمل میں آئی، جس کا اندازہ دس سال کے قلیل عرصے میں ایک وسیع ریاست (جو کہ تین ملین، یعنی تیس لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل علاقہ تھا)۔ (۲۷) کے بن جانے سے ہوتا ہے اور یہ سب نبی کریم ﷺ کی سیاسی حکمتِ عملی وتدبّر کا نتیجہ تھا۔ اس ریاست کی توسیع میں مسلح جدوجہد کا عنصر بہت کم ملتا ہے، ورنہ دنیا کی تاریخ میں ملکوں اور علاقوں کو اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے حکم رانوں کو لوگوں کی لاشوں پر چل کر مطلوبہ کام یابی حاصل ہوتی تھی، مگر تاریخ میں یہ کام یابی، اور کام یابی بھی وہ جس سے نہ صرف علاقے، بل کہ لوگوں کے دل ودماغ فتح ہوئے، صرف آپ ﷺ کے حصے میں آئی۔

عہدِ نبوی ﷺ کے اِقطاع وعطایا میں بہت سے انفرادی واجتماعی مقاصد حاصل کیے گئے ہیں، جن کی تفصیل ہم ذیل میں بیان کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ ہم اس طریقۂ کار اور نظام کو بھی زیرِ بحث لائیں گے، جس کے تحت یہ اِقطاع وعطایا دیے جاتے تھے اور پھر آخر میں ان کے نتائج اور سیاسی اثرات کا تجزیہ کریں گے۔

حضرت محمد ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اُس وقت وہاں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ

یہود بھی آباد تھے۔ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام اور سیاسی نوعیت کی تنظیم کے لیے ایک معاہدہ تحریر فرمایا، جس سے تمام لوگ اس دستور پر متحد ہوگئے اور باضابطہ طور پر ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ (۲۸)

بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم ریاست اور اسلامی ریاست کے مابین فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۹۳۳ء کے عالمی چارٹر میں ریاست کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

ریاست سے مراد وہ خطۂ زمین یا علاقہ ہے، جس میں مستقل آبادی، متعین کردہ سرحد، زمین کو ریاست بنانے کے لیے ایک آئین، اس آئین کے نفاذ کے لیے حکومت، دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات بنانے کی خاصیت ہو۔ (۲۹)

اس کے برعکس اسلام ملت کے تصور کو پیش کرتا ہے، جس کا مقصد ایک عمدہ عالمی نظام کی تشکیل ہے، جس کے نزدیک اسلامی ریاست علاقوں اور سرحدوں میں مقید نہیں ہوتی۔ اسی لیے جب ہم اسلامی ریاست کی تعریف کرتے ہیں تو اس کے عناصر ترکیبی میں علاقے اور سرحد کو شامل نہیں کرتے۔ (۳۰)

ایک اسلامی ریاست کے وجود کا انحصار ان تین عناصر پر ہوتا ہے:

۱۔ اقتدارِ اعلیٰ

۲۔ آبادی

۳۔ حکومت۔ (۳۱)

ہر مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے کا خالق اور مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پاک ہے اور اسی حیثیت سے حکم کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۳۲)

حکم کا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔

اسی لیے اسلامی ریاست میں مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، کیوں کہ اسلامی ریاست کا قیام ہی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے حکم کے نفاذ کے لیے ہے اور اسی حکم اور قانون کی رو سے انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے، جو اس کے تفویض کردہ اختیارات کو بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کے بنائے

ہوئے قانون پر عمل درآمد کراتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مدینے کے رہنے والوں نے آپ ﷺ کو اپنا قائد اور حکمران تسلیم کرتے ہوئے مدینہ منورہ کے تمام انتظامی امور اور معاملات آپ ﷺ کے حوالے کر دیے تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تمام انتظامات اور معاملات کو طے فرمایا اور ریاست کی بنیاد، اس کے ستون اور ڈھانچے، اس کے اداروں، فوج، داخلی و خارجی پالیسی کو متعین کیا۔ مدینہ منورہ کی ریاست کو مسلمانوں کو پناہ دینے کی وجہ سے دشمنوں کی طرف سے حملے کا خطرہ بھی ہر لمحے موجود تھا، چناں چہ مدینے کی سرحدوں کو ان حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے پڑوسی قبائل سے حلیفانہ تعلقات استوار کر کے معاملات طے فرمائے، تاکہ لڑائی کی صورت میں وہ مدینہ منورہ کی ریاست کے ساتھ تعاون کریں یا پھر غیر جانب دار رہیں۔

نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ پر حکم رانی اور اقتدار کے تمام اختیارات و ذرائع حاصل تھے اور ان ہی اختیارات کے تحت آپ ﷺ نے اِقطاع وعطایا کی تقسیم کی۔ انصارِ مدینہ نے شہر کی تمام افتادہ زمینیں بھی آپ ﷺ کے اختیار میں دے دی تھیں، یہاں تک کہ اپنی مملوکہ اراضی بھی آپ ﷺ کے قدموں میں نچھاور کر دیں، مگر آپ ﷺ نے وہ انہیں واپس لوٹا دیں۔ (۳۳)

جیسے جیسے اسلامی ریاست میں توسیع ہوتی گئی اور ایک مستحکم ریاست وجود میں آ گئی ویسے ویسے مسلمانوں کے تنگی وعسرت کے زمانے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خوش حالی میں تبدیل کر دیا اور رسول اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں مستحقین صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ نومسلم قبائل اور ان کے سرداروں کی عزت افزائی کے لیے بھی اِقطاع وعطایا عنایت فرمائیں، لیکن واضح رہے کہ اِقطاع دینے کا یہ عمل ہرگز دوسرے حکم رانوں کی بڑی بڑی جاگیریں دینے کی طرح نہیں تھا، جس کے ذریعے وہ جاگیر حاصل کرنے والوں کو اپنا وفادار بنا کر اُن سے اپنے مقاصد حاصل کرتے تھے، بل کہ آپ ﷺ کا مقصد ان اِقطاع کے ذریعے اسلام کی ترقی اور عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود تھا۔

یہ بات تو روزِ روشن کی طرح ہم سب پر عیاں ہے کہ نبی اور رسول دنیا اور دنیاوی اقتدار کے طالب نہیں ہوتے، کیوں کہ انبیائے کرام اور رسول اپنے زمانے کے بہترین انسان ہوتے ہیں، جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے منتخب کیا ہوتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان انبیائے کرام علیہم السلام کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پیغام اس کی مخلوق تک

پہنچانا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی زمین پر اُسی کا حکم نافذ کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے کئی پیغمبروں کی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران اور بادشاہِ وقت بھی تھے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی ایک مملکت قائم کی اور اس مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حکمرانی بھی فرمائی ہے۔ اس مملکت کا نظم ونسق آپ ﷺ کا قائم کردہ تھا، لیکن اس اسلامی مملکت وریاست کا اصل حاکم اعلیٰ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تھا، کیوں کہ اس مملکت میں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام اور قانون نافذ تھا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے ماتحت آپ ﷺ اس مملکت پر حکمرانی فرمارہے تھے، لیکن یہ حکمرانی آسائشوں پر مبنی نہیں تھی، جیسا کہ آج کل کی حکمرانی ہمیں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ اپنی گزر بسر بہ حیثیت ایک حکمران بھی کس طرح عاجزی اور قناعت سے فرماتے تھے، وہ ہمیں احادیثِ مبارکہ اور سیرت نبوی ﷺ کی کتابوں میں جابہ جا نظر آتی ہیں۔

اسلام چوں کہ صرف ایک مذہب کا نام نہیں ہے، بل کہ ایک کامل نظریۂ حیات کا نام ہے، جو ریاست، معاشرے اور زندگی کا مکمل احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لہٰذا ریاست وحکمرانی اس کا لازمی جز ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق حکومت کریں۔ قرآنِ کریم میں ایسی متعدد آیات وارد ہوئی ہیں، جن میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط (۴۸)

پس آپ ﷺ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کر دیں اور جو حق آپ ﷺ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ سورۃ النساء میں آپ ﷺ کو احکامات کے مطابق عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں، ارشاد ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۶۵)

(اے محمد ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے، جب تک یہ

آپ کو اپنے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں، پھر جب آپ ﷺ فیصلہ کر دیں تو یہ اپنے اندر گرانی محسوس نہ کریں، بل کہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔

قرآن کریم میں کئی آیات ایسی بھی وارد ہوئی ہیں، جو مختلف شعبہ ہائے حکومت کی تفاصیل بتاتی ہیں۔ چناں چہ کچھ احکامات کا تعلق جنگ کے احکامات سے ہے، کچھ سیاسی قوانین کے بارے میں ہیں، کچھ جرائم سے متعلق قوانین کے بارے میں ہیں، کچھ آیات معاملات کے قوانین کے بارے میں ہیں اور کچھ جنگ کے بعد مال غنیمت اور فے کی تقسیم کے متعلق ہیں۔

ایسی سیکڑوں آیات موجود ہیں، جن میں عسکری، سیاسی، اقتصادی امور اور جرم وسزا سمیت دیگر کئی معاملات کے لیے قوانین وضع کرنے کے بارے میں رہ نمائی کی گئی ہے۔ یہ قوانین رسول اکرم ﷺ کے مبارک دور میں عملی طور پر نافذ تھے۔ یہ امر صرف اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام حکومت وریاست، معاشرے اور افراد کے لیے ایک نظام ہے اور یہ نظام اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین پر مشتمل نظام ہے۔

سورۃ الاحزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (۳۶)

اللہ اور اس کا رسول ﷺ جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلے میں کوئی اختیار نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حکم واطاعت کی پیروی کا حکم فرمایا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ تو اللہ تعالیٰ ہی کا حکم لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۳۷)

اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی۔

چناں چہ آپ ﷺ کی اتباع معاملات اور افعال میں بھی اتنی ہی ضروری ہے، جتنی عبادات میں۔ اس لیے آپ ﷺ بہ طورِ حکم ران جو احکامات نافذ کرتے ہیں، وہ نبی ہی کی حیثیت سے ہوتے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے تھے۔ اس میں آپ ﷺ کی اپنی ذاتی خواہش کا عمل دخل نہیں تھا، بل کہ سب وحی الٰہی کے ماتحت تھا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نجم میں فرماتے ہیں:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (۳۸)

اور آپ ﷺ اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں کرتے، بل کہ وہ وحی کہتے ہیں جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جو قوانین اور احکامات مقرر فرمائے، وہ اپنی طرف سے گھڑ کے نہیں بنائے۔ آپ ﷺ وہی فرماتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو حکم دیا جاتا تھا۔

اسی لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کہہ دیجیے:

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (۳۹)

میں تو بس اُسی حکم پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتا ہے۔

حاکمیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے، اس لیے کہ اس کائنات میں زمینوں، آسمانوں اور اس میں موجود تمام مخلوقات کا مالک وہی ہے اور آسمان وزمیں اُسی کے حکم سے قائم ہیں۔ چوں کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے تو زمین کا مالک بھی وہی ہے اور اس زمین پر بھی اسی خدائے واحد وقہار کا حکم نافذ ہونا چاہیے۔

ابوداؤد میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے:

عَنْ عروة قال أَشْهَدُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه أَقْضٰی أَنَّ الْأَرْضَ أَرْضُ اللّٰهِ، وَالْعِبَادَ عِبَادُ اللّٰه، وَمَنْ أَحْيَا مَوَاتًا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا (۴۰)

میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا تھا کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور بندے بھی اللہ تعالیٰ کے ہیں تو جس نے لاوارث زمین کو آباد کیا، وہ اس کا مالک ہے۔

ابوداؤد میں اسی طرح کی ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ یہود کی جماعت سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں

يَا معشر يهودَ، أَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا فقالو: قَدْ بَلَّغْتَ يَا أبا القاسم، فقال لهم رسول اللّٰه ﷺ أَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا فقالو: قد بَلَّغْتَ يَا أبا القاسم، فقال رسول اللّٰه ﷺ ذلك أُرِيدُ، ثم قالَهَا الثالثة: اعْلَمُوْا أَنَّما الأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، وإِنِّي أُرِيْدُ أن أجلِيَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الأَرْضِ، فمن وجد منكم بِمَالِهِ شَيْئاً فَلْيَبِعْه، وَإِلَّا فاعْلَمُوْا أَنَّما الأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِه (۴۱)

اے جماعت یہود! اسلام قبول کرلو، سلامتی میں رہوگے۔ انہوں نے کہا کہ ابوالقاسم!

آپ نے پیغام پہنچادیا۔ آپ ﷺ نے دوسری بار بھی یہی فرمایا تو یہود نے کہا کہ آپ نے پہنچادیا، اے ابوالقاسم! اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اسی کا ارادہ کیا تھا، پھر تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو! زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی ہے اور میں تمہیں اس سرزمین سے جلاوطن کرنے والا ہوں، جسے اپنے مال میں سے کچھ ملتا ہے، اُسے بیچ ڈالے، ورنہ یاد رکھو! زمین اللہ کی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو جو زمینیں اور جاگیریں عطا کیں اور غنائم تقسیم کیے، وہ اسی اختیار کے تحت ہی عطا کیے، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہ حیثیتِ نبی اور بہ حیثیت اپنے نائب عطا کیے تھے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے مقالے ''تاریخ ساز مدبر'' میں آپ ﷺ کے مقام کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کا اصلی مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپ ﷺ نبی خاتم اور پیغمبر عالم ہیں۔ سیاست اور تدبّر اس مرتبۂ بلند کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے، جس طرح ایک حکمران کی زندگی پر ایک تحصیل دار کی زندگی کے زاویے سے غور کرنا ایک بالکل ناموزوں بات ہے، اس سے زیادہ ناموزوں بات شاید یہ ہے کہ ہم سید کونین ﷺ کی زندگی پر ایک ماہر سیاست دان یا ایک مدبّر کی زندگی کی حیثیت سے غور کریں۔ نبوت اور رسالت ایک عظیم عطیہ الٰہی ہے، جب یہ عطیہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بخشتا ہے تو وہ سب کچھ اس کو بخش دیتا ہے، جو اس دنیا میں اس کو بخشا جا سکتا ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ تو صرف نبی ہی نہیں، خاتم الانبیا تھے، صرف رسول ہی نہیں تھے، بل کہ سید الرسل تھے، صرف اہل عرب کے لیے نہیں، سارے عالم کے لیے مبعوث ہو کر آئے تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت صرف خاص مدت کے لیے نہیں تھی، بل کہ ہمیشہ باقی رہنے والی تھی اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کسی دین رہبانیت کے داعی بن کر نہیں آئے تھے، بل کہ ایک ایسے دین کے داعی بن کے آئے تھے جو روح اور جسم دونوں پر حاوی اور دنیا و آخرت دونوں کے حسنات کا ضامن تھا۔ جس میں عبادت کے ساتھ سیاست، درویشی کے ساتھ حکمرانی کا جوڑ محض اتفاق سے پیدا نہیں ہو گیا تھا، بل کہ یہ عین اس فطرت کا تقاضا تھا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو ظاہر

ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے بڑا سیاست دان اور مدبّر کون ہوسکتا ہے؟ لیکن یہ چیز آپ ﷺ کا اصلی کمال نہیں، بل کہ یہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کا محض ایک ادنیٰ سا شعبہ ہے۔ (۴۲)

اسی ضمن میں ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے مقام اور سیاسی حیثیت و اختیارات سے متعلق لکھتے ہیں:

دستور مدینہ کی دفعات سے یہ واضح اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محمد ﷺ کو تمام معاملات میں، خواہ وہ سیاسی ہوں یا سماجی، اقتصادی ہوں یا شہری، فوجی ہوں یا مذہبی، مکمل اور ارفع واعلیٰ اختیارات حاصل تھے اور آپ ﷺ کی یہ سیادت وقیادت اعلیٰ ہجرت کے بعد خاص کر دستورِ مدینہ کے نفاذ کے بعد سب کو تسلیم اور ماننی پڑی تھی۔ مسلمانوں کو اس لیے کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول تھے اور اس اعتبار سے آپ ﷺ کے تمام احکام کی بہ جا آوری سب کے لیے ضروری اور واجب التعمیل تھی، اور غیر مسلموں کے لیے اس بنا پر کہ انہوں نے آپ ﷺ کو دستورِ مدینہ اور دوسرے مختلف انفرادی معاہدوں کے تحت مدینے کا سردار اعلیٰ اور قائد اعظم تسلیم کیا تھا اور وہ آپ ﷺ کو سیاسی رہ نما مانتے تھے اور اس بنا پر آپ ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کے پابند تھے۔

امۃ اللہ کا حاکم مطلق ومقتدرِ اعلیٰ خدائے واحد واقدس کی ذات تھی اور اس کے نائب اور رسول کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ کو تنفیذ مرضی واحکام الٰہی کا حق اوّلین تھا، جس نے آپ ﷺ کو سیاسی، سماجی، مذہبی، فوجی اختیارات کا مرکز ومحور بنایا تھا اور اس بنیاد پر مسلم طبقات آپ ﷺ کی بلا مشروط وغیر متزلزل فرماں برداری کے پابند تھے۔ (۴۳)

ہجرتِ مدینہ کی اسلامی تاریخ میں اہمیت فتح مکہ سے کسی طور کم نہیں ہے، کیوں کہ اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کی مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی وجہ سے عمل میں آیا۔ مسلمانوں کی یہی ریاست آگے جا کر مکے کو فتح کرنے کا سبب بنی اور مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں یہ فتح عظیم حاصل کی۔

ہجرت مدینہ کا مقصد مسلمانوں کا ایسے پر امن علاقے میں رہائش اختیار کرنا تھا، جہاں ان کی بکھری ہوئی جمعیت کو منظم ومتحد اور طاقت ور بنایا جا سکے (۴۴) اور ایک نئے معاشرے کی تشکیل میں تعاون کیا جا سکے۔ اسی کے ساتھ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض قرار پایا تھا کہ اس وطنِ جدید کی تعمیر میں حصہ

لے اور اس کی پختگی، حفاظت اور رفعتِ شان میں اپنی کوشش صرف کرے۔ (۴۵) اس دوران میں ہجرت کے عمل کی حوصلہ افزائی اور ہجرت کرنے والوں کے بلند درجات اور فضائل کے تذکرے پر مشتمل بہت سی قرآنی آیات نازل ہوتی رہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (۴۶)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کے لیے بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش، اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکلا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کروں گا، پھر اس کو موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔

اسی طرح استطاعت رکھنے کے باوجود بغیر کسی عذر کے ہجرت نہ کرنے والوں کے لیے وعید بھی آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ترمذی میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تُجَامِعُوْهُمْ فَمَنْ سَاكَنَهُمْ اَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ (۴۷)

مشرکوں کے ساتھ سکونت مت رکھو اور نہ ان کے ساتھ مل جل کر رہو، جو ایسا کرے گا، وہ انہیں کے مثل ہوگا۔

اسی طرح جامع ترمذی ہی میں ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أنا بَرِيٌّ من كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ أظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلِمَ؟ قَال: لا تَرَا ءى نَارَاهُما (۴۸)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں، جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے، عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کیوں بیزار ہیں؟ تو فرمایا: مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ مشرک سے اتنی دور رہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کی آگ تک دکھائی نہ دے۔

ان تمام نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابتدا ہی سے ہجرت ہر مسلمان پر فرض تھی، جس کی وجہ

یہ تھی کہ مدینہ منورہ کی نئی ابھرتی ہوئی ریاست کو مضبوط بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیے مہاجروں کی مدد اور عددی قوت کی ضرورت تھی، کیوں کہ مدینہ منورہ اندرونی دشمنوں، جن میں یہودی اور منافقین شامل تھے، اور بیرونی دشمنوں، جیسے مشرکین مکہ وغیرہ، کے بیچ میں گھرا ہوا تھا۔ (۴۹) غزوۂ خندق، یعنی ۵ ہجری تک یہ فرضیت برقرار رہی، کیوں کہ غزوۂ خندق کے بعد اسلامی ریاست دفاعی حیثیت سے نکل کر از خود حملہ کرنے کی حالت میں آ چکی تھی۔ (۵۰)

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین مکہ کو کس طرح وہاں آباد کیا تھا؟ ان اقدامات کا ذکر کرنے سے پہلے ہم مختصراً مدینہ منورہ کا جغرافیائی اور تاریخی جائزہ لیتے ہیں۔

مدینہ منوّرہ کا مختصر تعارف

ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا۔ قرآن کریم میں بھی مدینے کو اسی نام سے پکارا گیا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبی ﷺ مشہور ہوا، جو کثرتِ استعمال کی وجہ سے فقط مدینہ ہو گیا۔ (۵۱)

مدینے کو جنگی اور جغرافیائی نقطہ نظر سے ایک مستحکم قلعے کی حیثیت حاصل تھی، کیوں کہ مدینہ منورہ اپنے چاروں جانب سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے مشرقی جانب ''حرۃ واقم'' اور مغربی جانب ''حرۃ الوبرہ'' تھیں۔ ان دونوں کے درمیان شمال میں نرم زمین کا قطعہ تھا، جس کا مغربی جز حرۃ الوبرہ سے ملا ہوا تھا۔ (۵۲) اور مدینہ کا یہی شمالی حصہ وہ واحد راستہ تھا، جو کسی پیش قدمی کے لیے کھلا ہوا تھا۔ (۵۳) اسی طرح مدینہ منورہ میں متعدد وادیاں تھیں، جن کی تعداد چھ ہے۔ ان میں وادی عقیق سب سے مشہور وادی ہے۔ (۵۴)

مدینہ منورہ کوئی دس میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدانی حصے پر مشتمل تھا۔ بیچ بیچ میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی تھیں، جن میں ''سلع'' کا پہاڑ مشہور ہے۔ اسی کے میدانی حصے پر عرب اور یہودی قبائل کی منتشر بستیاں اور باغات قائم تھے۔ (۵۵) مدینہ منورہ کی آبادی اوس اور خزرج کے قبائل کے ساتھ یہود قبائل، جیسے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع پر مشتمل تھی۔ مدینہ منورہ کی اصل آبادی کا پیشہ پھلوں، سبزیوں اور غلوں کی کاشت کاری تھا، جب کہ صنعت اور تجارت جیسے شعبوں پر یہودی قابض تھے۔ تجارت اور صنعت اور سودی کاروبار کی وجہ سے یہودی مدینے کے دوسرے قبائل پر معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر برتر

ہو گئے تھے، اور اپنی اسی برتری کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ کے دوسرے قبائل کا نہایت آسانی سے استحصال کیا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں رہنے والے عام قبائل کے مکانات جو عمومی نوعیت کے ہوا کرتے تھے، وہ شمال میں جبل ثور سے لے کر جنوب میں جبل عیر تک پھیلے ہوئے تھے، البتہ یہودیوں کے مکانات، محلات، قلعوں اور گڑھیوں کی صورت میں ہوا کرتے تھے، جنہیں آطام اور آجام کہا جاتا تھا۔ (۵۶)

مہاجرین کی آبادکاری

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے جس چیز کی طرف خصوصی توجہ اور کوشش صرف فرمائی، وہ شہر کا امن وامان اور باشندوں کے تعلقات کو باہمی خوش گوار بنانا تھا۔ آپ ﷺ نے اس بات کو جاتے ہی محسوس فرمایا کہ مہاجرین کی جماعت مکے سے آئی ہے، وہ اہل مدینہ کے لیے باعث اذیت اور موجب پیچیدگی نہ ہونے پائے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ کو یہ بھی خیال تھا کہ مہاجرین، جنہوں نے دین کی خاطر انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں، اپنے گھر، وطن، عزیز واقارب، مال وزر، خاندان، برادری چھوڑ کر مدینے آپڑنے سے زیادہ پریشان ودل شکستہ نہ ہوں۔ (۵۷)

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کا امن بہ حال کرنے کے لیے اس کے دو متحارب قبیلوں میں صلح کرائی، پھر جو مہاجرین مکہ سے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے، ان کو بسانے کا انتظام کیا۔ چوں کہ شہر کی آب وہوا ان کے پرانے وطن سے مختلف تھی، جس کی وجہ سے کچھ مہاجرین بخار میں مبتلا ہوئے، انہیں فوراً توجہ اور عارضی حل کی ضرورت تھی۔ (۵۸)

مدینے کے فیاض انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ انہوں نے نہایت اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ اُن کے اور ان کے مہاجر بھائیوں کے درمیان ان کے باغات تقسیم کریں، تاکہ مہاجرین کو آمدنی کا ایک ذریعہ حاصل ہو جائے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ وہ باغات کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھیں، البتہ جو پھل اترے، اس میں اپنے مہاجر بھائیوں کو شریک کرلیں۔ (۵۹)

ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ کے سامنے سب سے اہم اور فوری حل طلب مسئلہ مسلمان مہاجرین کی رہائش اور اُن کی آبادکاری کا تھا۔ ابتدا میں تو انصارِ مدینہ نے نہایت ایثار اور فیاضی سے انہیں اپنے ہاں

ٹھہرایا تھا، مگر یہ ان کی مستقل رہائش نہیں تھی، چناں چہ کچھ عرصے بعد یہ لوگ اپنے مکانوں اور جھونپڑیوں میں منتقل ہوگئے۔ یہ مکانات اور جھونپڑیاں ان قطائع پر بنائے گئے تھے، جو رسول اللہ ﷺ کی موہوبہ اراضی یا افتادہ زمینوں سے مہاجرین کو عطا کیے گئے تھے۔ (۶۰) کیوں کہ انصارِ مدینہ نے اپنی اضافی اور موہوبہ اراضی خدمتِ اقدس میں پیش کردی تھیں، تاکہ مہاجرین کی رہائش کا بندوبست ہوسکے۔ (۶۱)

رسول اللہ ﷺ کا رہائشی مکانات کے لیے اِقطاع

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہائشی مکانات کے لیے اِقطاع فرمائے، تاکہ نئی جگہ پر ان کی رہائش کا بندوبست ہوسکے۔

اب ان صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتے ہیں، جن کے بارے میں صراحتاً ذکر آتا ہے کہ اُن کو گھروں کے لیے زمینیں اقطاع کی گئی تھیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں مکانوں کے لیے زمینیں عطا فرمائیں تو ابوبکرؓ کے لیے ان کے مکان کی جگہ مسجد کے پاس رکھی۔ (۶۲) جیسا کہ معروف ہے کہ آپؓ کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھر سے متصل تھا اور مسجد نبوی میں اس کا ایک دروازہ کھلتا تھا۔ (۶۳)

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ:

مدینہ منورہ میں حضرت عمر فاروقؓ کا مکان بھی نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ زمین پر تھا۔ (۶۴) کتاب الخراج میں امام ابو یوسفؒ نے حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے گھروں کے اِقطاع کا اکٹھا ذکر کیا ہے تو ممکن ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی گھر کے لیے قطعۂ زمین مسجدِ نبوی ﷺ کے آس پاس ہی دیا گیا ہو۔

۳۔ حضرت عثمان بن عفانؓ:

نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں مکانات عطا کیے تو اس دن حضرت عثمان بن عفانؓ کے مکان کا خط بھی کھینچ دیا۔ حضرت عثمانؓ کے گھر کی جو کھڑکی تھی، وہ نبی کریم ﷺ کے دروازے کے سامنے تھی۔ نبی کریم ﷺ جب حضرت عثمان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تو اسی سے آیا جایا کرتے تھے۔ (۶۵)

۴۔حضرت عبیدہ بن الحارثؓ:

۵۔حضرت طفیل بن الحارثؓ:

۶۔حضرت حصین بن الحارثؓ:

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اور ان کے دونوں بھائیوں حضرت طفیل بن الحارثؓ اور حضرت حصین بن الحارثؓ کو وہ مقام بہ طور جاگیر دیا، جو مدینے میں ان لوگوں کے لیے وعظ وتبلیغ کا مقام تھا۔ ان کا قطعۂ زمیں حضرت زبیر بن العوامؓ کی بقیع نامی اراضی یا باغ اور بنو مازن کے مقامات کے درمیان واقع تھا۔(۶۶)

۷۔حضرت زبیر بن العوامؓ:

نبی کریم ﷺ نے جب مدینے میں مکانوں کی حد بندی کی تو حضرت زبیر بن العوامؓ کے لیے زمین کا بڑا ٹکڑا مقرر کیا۔(۶۷)

۸۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ:

رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں مکانوں کے لیے بہ طور حد خط لگایا۔ آپ ﷺ نے بنی زہرہ کے لیے مسجد کے پچھلے حصے میں ایک کنارے خط لگایا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے لیے مکان کے پیچھے حصے میں حش تھا۔ حش چھوٹی چھوٹی کھجوروں کا وہ باغ ہوتا ہے، جو سینچا نہیں جاتا۔(۶۸)

۹۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ:

رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مدینے میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی منزل ایک زمین کا ٹکڑا تھی۔(۶۹)

۱۰۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

۱۱۔حضرت عتبہ بن مسعودؓ:

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں مکانات کی حد معین فرمائی تو آپ ﷺ نے بنو زہرہ کے لیے مسجد کے پیچھے ایک کنارہ معین کیا، جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے لیے مسجد کے پاس جگہ مقرر کی۔(۷۰)

۱۲۔حضرت مقداد بن عمروؓ:

نبی کریم ﷺ نے بنی جدیلہ میں حضرت مقداد بن عمروؓ کو زمین دی۔ اس حصے کی جانب انہیں حضرت

ابی بن کعبؓ نے بلایا تھا۔(۷۱) حضرت مقدادؓ کو ان کا قطیعہ بنو جدیلہ/خزرج کے علاقے اور اراضی میں ملا تھا اور اس جگہ کو لینے کی دعوت اس قبیلے کے مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ نے دی تھی۔(۷۲)

۱۳۔حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ:

نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے لیے (بھی مدینہ منورہ میں) مکان کے لیے جگہ مقرر کی۔(۷۳)

۱۴۔حضرت ابو سلمہؓ:

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں مکانوں کے لیے جگہ دی تو حضرت ابو سلمہؓ کے لیے ان کے مکان کی جگہ بنی العزیز الزہریین کے مکان کے پاس عطا فرمائی۔ ان کے ساتھ اُمِ سلمہؓ بھی تھیں، بعد میں ان لوگوں نے اسے فروخت کر دیا اور بنی کعب میں منتقل ہو گئے۔(۷۴)

۱۵۔حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ:

حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کا مکان مدینے میں بنی زُریق میں تھا، جو نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ زمین پر تھا۔(۷۵)

۱۶۔حضرت عمار بن یاسرؓ:

حضور ﷺ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو مدینہ منورہ میں ان کے مکان کے لیے جگہ عطا فرمائی۔(۷۶)

۱۷۔حضرت عثمان بن مظعونؓ:

نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ اور ان کے بھائیوں کو بھی مکانات کے لیے زمین عطا فرمائی۔(۷۷)

۱۸۔حضرت عمرو بن حریثؓ:

حضرت عمرو بن حریثؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مجھے ایک گھر عنایت فرمایا تھا، جسے آپ ﷺ نے اپنی قوس سے ناپا اور فرمایا تھا کہ میں تجھے اور بھی دوں گا، اور بھی دوں گا۔(۷۸)

اس سلسلے میں یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ تمام بے گھر مہاجرین کو آبادکاری کے لیے رہائشی قطائع ملے تھے، خواہ ان کے نام مآخذ میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔ کچھ ایسے بھی مکی مسلمان تھے، جو اسلام سے قبل مکے کی سکونت ترک کر کے مدینے آ بسے تھے اور وہاں انہوں نے جائیدادیں بنالیں تھیں۔ ان میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی حضرت عتبہؓ جیسے لوگ شامل تھے۔

بعد ازاں جوں جوں مسلمان مکہ یا دوسرے علاقے سے آتے گئے ان کو رہائشی مکانات کے لیے قطائع ملتے گئے، جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور حضرت نوفلؓ بن حارث اور متعدد مہاجرین کے معاملات سے واضح ہوتا ہے۔ (۷۹) حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور حضرت نوفل بن الحارثؓ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان عقدِ مواخات کیا، مدینے میں ایک ہی جگہ زمین عطا فرمائی اور وسط میں ایک دیوار سے آڑ کر دی۔ اس طرح دونوں پڑوسی ہو گئے۔ باہم محبت اور خلوص ہونے کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں بھی شریک تھے۔ شرک میں ان کا حال برابر تھا، باہم محبت اور ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے بہت سی چیزوں میں خلوص رکھنے والے تھے۔

حضرت نوفلؓ کا مکان جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا، مقام رحبۃ القضا میں تھا، جہاں قریب ہی رسول اللہ ﷺ کی مسجد تھی اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا مکان جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا، اس کے پڑوس میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی طرف دارِ مروان میں تھا۔

آں حضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کو ایک اور مکان بھی عطا فرمایا تھا، جو بازار میں اس مقام پر تھا جسے مجزرہ ابن عباس کہتے تھے۔ (۸۰) نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھی مکان اِقطاع فرمایا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انہیں المنا نامی مکان اِقطاع فرمایا۔ یہ مکان اُن مکانات میں سے تھا، جو حارثہ بن نعمانؓ نے خدمتِ اقدس میں ہبہ کیے تھے۔ آپ ﷺ نے ان مکانات میں سے حضرت خالد بن ولیدؓ کے علاوہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو بھی مکان اقطاع فرمایا۔ (۸۱)

نبی کریم ﷺ کے سربراہِ ریاست ہونے کی حیثیت کو مدینہ منورہ کی حدود سے باہر بھی تسلیم کیا جانے لگا، چناں چہ رمضان ۲ھ (مارچ ۶۲۴ء) میں حضرت کشد جہنی کو ینبوع کے مقام پر نبی کریم ﷺ نے وسیع قطیعہ اِقطاع فرمایا، جو انہوں نے اپنی درازعمری کی وجہ سے اپنے بھانجے کو دلوا دیا۔ (۸۲)

اگر کسی شہر میں بڑی تعداد میں پناہ گزین آ جاتے ہیں تو بہت سے سماجی اور معاشی مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عصر حاضر میں مہاجرین کا مسئلہ دشوار مسائل میں شمار ہوتا ہے۔ ماضی قریب میں ہمارا ملک اس صورت حال سے گزر چکا ہے، مگر ہجرت مدینہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی فہم وفراست اور بہترین منصوبہ بندی سے یہ مسئلہ آسانی سے حل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ان بے گھر مہاجرین کی آبادکاری کے لیے ایک

جامع منصوبہ بنایا تھا۔ پہلا یہ کہ ان بے یار و مددگار مہاجرین کے لیے گھر یا ٹھکانے کا بندوبست کیا جائے اور دوسرا ان کے مناسب روزگار کا بھی بندوبست کیا جائے۔ ذیل میں ہم آپ ﷺ کے مہاجرین کے رہائشی مکانوں کی فراہمی کی منصوبہ بندی کا اجمالی ذکر کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کے انصار نے رسول اکرم ﷺ کو افتادہ زمینوں کے علاوہ اپنی مملوکہ زمینوں کا بھی اختیار دے دیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے مہاجرین کے رہائش کی فراہمی کے لیے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ تمام عادی اور موات اراضی اپنے قبضے میں لے لیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

عَادیُّ الأرض للّٰہ و لرسولہ ثم لکم من بعد (۸۳)

عادی الارض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے اور بعد ازاں تمہاری ہے۔

چناں چہ ان اراضی کو آں حضرت ﷺ نے اپنی تحویل میں لینے کے بعد ان کے ایک حصے میں مہاجرین کو بسا کر ایک نیا شہر ''مدینۃ الرسول ﷺ'' آباد کیا۔ یہ شہر چوں کہ بنیادی طور پر ایک مہاجر بستی تھی، اس لیے مہاجرین کے علاوہ مقامی لوگوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی، تاکہ مہاجرین کی آبادکاری میں کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو۔ (۸۴)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ نے چاہا کہ اپنے دور والے مکانات چھوڑ کر مسجد نبوی ﷺ سے قریب اقامت اختیار کر لیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مدینے کے کسی حصے سے بھی رہائش ترک کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

یَا بَنِی سَلِمَۃَ أَلَا تَحْتَسِبُوْنَ آثَارَکُمْ فَأَقَامُوْا (۸۵)

اے بنوسلمہ! تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے؟ چناں چہ بنوسلمہ نے اپنی پرانی رہائش باقی رہنے دی۔

اس شہر میں مہاجرین کو مفت رہائشی پلاٹ فراہم کیے گئے اور اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ ایک قبیلے کے لوگوں کو ایک ہی جگہ بسایا جائے، یعنی شہر میں زمینوں کی تقسیم قبیلہ وار کی گئی۔ (۸۶) اس بات کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ خطّ الذور فخطّ لبنی زھرۃ فی ناحیۃ مُؤخر المسجد (۸۷)

رسول کریم ﷺ نے جب مدینے میں بہ طور حد خط لگایا تو بنی زہرہ کے لیے مسجد کے پچھلے حصے میں لگایا۔

اس مہاجر بستی کے وسط میں مسجد النبی ﷺ اور اس کے ملحق ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے تعمیر کیے گئے۔ جیسے جیسے مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ آتے رہے، ان کی رہائش کا بندوبست کیا جاتا رہا۔ بعد ازاں یہودیوں کے اخراج کے بعد ان کی بستیوں میں مسلمان مہاجرین کو بنے بنائے مکان تفویض کیے گئے۔ گویا اس طرح کے اقدامات سے مہاجرین کو رہائش کی فراہمی کا مسئلہ بہت حد تک حل کر لیا گیا۔(۸۸)

نبی کریم ﷺ کا انتظامِ اراضی

نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں کی اراضی کا انتظام بھی آپ ﷺ نے فرمایا۔ اُس کا طریقہ کار کیا تھا؟ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے ہم اراضی کی اقسام کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں، تاکہ آگے آپ ﷺ کے انتظام اراضی کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اراضی کی اقسام

شریعت کی رو سے جب کوئی ملک فتح ہوتا ہے تو اُس مفتوحہ ملک میں اراضی دو طرح کی ہوتی ہے:

الف: غیر مملوکہ اراضی

ب: مملوکہ اراضی (۸۹)

آیے اب ان پر مختصراً نظر ڈالتے ہیں۔

الف: غیر مملوکہ اراضی

غیر مملوکہ اراضی سے مراد وہ زمین ہے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ اس کی بھی تین قسمیں ہیں: (۹۰)

پہلی قسم:

پہلی قسم میں تو وہ اراضی شمار ہوتی ہیں، جو شہر کے اندر، متصل، یا قرب و جوار میں واقع ہوتی ہیں اور غیر زرعی مقاصد اور مصالح کے لیے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ جیسے تفریح گاہیں، کھیل کود کے میدان، چراگاہیں، قبرستان وغیرہ جو پوری آبادی کے فائدے کے لیے مخصوص ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت اجتماعی ملکیت کی

طرح ہوتی ہے۔ اراضی کی اس قسم کو اراضیٔ متروکہ کہتے ہیں۔ (۹۱)

دوسری قسم:

ایسی ناقابل زراعت بنجر زمینیں، جو نہ کسی کی ملکیت ہوں اور نہ کسی بستی کے قریب ہوں۔ ان میں بے کار جنگلات اور بے کار پہاڑی زمینیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ ارضِ موات کہلاتی ہیں۔

امام ابو یوسفؒ ارض موات کی تعریف میں کہتے ہیں:

فإذا لم يكن في هذه الارضين أثر بناء ولا زرع ولم تكن فينا لاهل القرية ولا سرها ولا موضع مقبرة ولا موضع محتطبهم ولا موضع مرعى درائهم وأغنامهم، وليست بملك لأحدوه في يد أحد فهي موات (۹۲)

ایسی زمینوں میں جب تعمیر یا زراعت کے آثار نہ پائے جائیں اور نہ یہ بستی والوں کی مشترکہ ضروریات کی تکمیل میں کام آتی ہوں (مثلاً) تفریح گاہ، مویشیوں اور سواری کے جانوروں کی چراگاہیں، ایندھن حاصل کرنے کی جگہ، نہ قبرستان ہوں اور نہ کسی کی ملکیت میں ہوں، نہ قبضے میں تو ایسی زمینیں موات قرار پائیں گی۔

تیسری قسم:

تیسری قسم غیر مملوکہ اراضی کی وہ ہے، جو کہ کسی بستی کی ضروریات کو پورا نہ کرتی ہوں، مگر قابل زراعت وانتفاع ہوں، ان کو اراضی بیت المال کہا جاتا ہے۔ (۹۳) اراضیٔ بیت المال کی بھی آگے کئی صورتیں بنتی ہیں:

الف: وہ زمینیں جو شروع سے کسی کی ملکیت میں نہ ہوں، فتح ہونے کے بعد بیت المال میں داخل ہو جائیں گی۔

ب: وہ زمینیں جو اگرچہ ابتدا میں کسی شخص کی ملکیت میں ہوں، مگر وہ لاوارث مر گیا ہو، یہ زمین بھی بیت المال میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی زمین کو فقہا کی اصطلاح میں اراضی مملکت، اراضیٔ حوزیا اراضیٔ سلطانیہ کہا جاتا ہے۔

ج: مفتوح ملک کی مملوکہ زمینیں جب مجاہدین میں تقسیم کی جائیں تو ان میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے اور یہ زمین بھی اراضیٔ بیت المال میں شامل ہوں گی۔

د: جنگ سے فتح کیے جانے والے ملک کی مملوکہ زمینوں میں امام کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ

مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بہ جائے تمام کی تمام بیت المال میں داخل کرے۔ اس طرح وہ تمام اراضی بھی اراضیٔ بیت المال شمار ہوں گی۔

ھ: جنگ کے ذریعے مفتوح اراضی میں امام کو یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان اراضی مملوکہ میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لیے مخصوص کردے۔ (۹۴)

ب: مملوکہ اراضی

مملوکہ اراضی سے مراد وہ اراضی ہیں، جو اسباب ملکیت میں سے کسی سبب کی بنا پر کسی فرد یا جماعت کی ملکیت قرار پائی ہوں۔ (۹۵) دوسرے الفاظ میں اس طرح کہ کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت جو زمینیں خاص خاص افراد واشخاص کی ملک میں تھیں، اراضی مملوکہ کہلاتی ہیں۔ (۹۶) اسلامی حکومت کے تابع آنے والی مملوکہ اراضی کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

پہلی صورت یہ ہے کہ ایسی مملوکہ اراضی کے مالکان اسلام قبول کرلیں اور اس بنا پر وہ اراضیٔ بہ دستور ان ہی کی ملکیت میں رہیں۔ ایسی زمین پر عشر کے سوا کچھ وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے ایسی زمینیں عشری کہلاتی ہیں۔ (۹۷)

دوسری صورت:

دوسری صورت معین خراج کے عوض صلح ہے۔ (۹۸) یعنی وہ اراضی مملوکہ جن کے مالک اپنے سابقہ دین پر قائم رہیں، مگر ایک معاہدے کے تحت اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی تابعیت میں دے دیں۔ (۹۹) ایسی اراضی مملوکہ خراجی کہلاتی ہے، کیوں کہ یہ ایک معین خراج ادا کرتے رہنے کی شرط پر صلح کے ذریعے فتح ہوئی ہوتی ہیں۔ (۱۰۰)

تیسری صورت:

تیسری صورت وہ ہے کہ ایسی اراضی جس کے مالک بہ ذریعہ شمشیر یا فوجی قوت کے مغلوب ہوں۔ (۱۰۱)

نبی کریم ﷺ کا انتظام اراضی

اراضی کی اقسام اور ان اقسام کی مزید صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد ان اقسام کے تناظر میں ہم

اب نبی کریم ﷺ کے انتظام اراضی کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

۱۔ایسی اراضی جن کے مالک مسلمان ہو جائیں

نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کی اراضی اور املاک سے متعلق آپ نے یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا کہ انصارِ مدینہ کو بہ دستور ان کی اراضیٔ املاک پر مالک رہنے دیا، کیوں کہ مدینے کے انصار پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔(۱۰۲) کیوں کہ اس قسم کی املاک جس کے مالک مسلمان ہو گئے ہوں، کے بارے میں آپ ﷺ کا یہی اُصول تھا کہ وہ ان ہی کی ملکیت میں رہیں گی۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اِنَّ الْقَوْمَ إِذَا اَسْلَمُوْا اَحْرَزُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (۱۰۳)

جب کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو وہ اپنی جان اور اپنے اموال کو محفوظ بنا لیتی ہے۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوْا مِنِّى دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (۱۰۴)

مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم ہوا ہے، یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، پھر جب انہوں نے لا الہ الا اللہ کہا تو بچا لیا مجھ سے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو، مگر حق کے بدلے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

آپ ﷺ کا مقرر کیا گیا یہ قاعدہ منقولہ اور غیر منقولہ دونوں طرح کی املاک سے متعلق تھا۔آپ ﷺ نے کبھی بھی اس شخص کی املاک سے تعرض نہیں فرمایا، جو اسلام قبول کر لیتا تھا۔

امام ابو یوسفؒ اس اصول کی تشریح خلیفہ ہارون الرشید کے لیے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان دماء هم حرام وما أسلموا عليه من عليه من أموالهم فلهم وكذلك أرضهم لهم وهى أرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله ﷺ وكانت أرضهم أرض عشر وكذلك الطائف والبحرين وكذلك أهل البادية اذا أسلموا على مياهم وبلادهم فلهم ما أسلموا عليه وهو فى أيديهم (۱۰۵)

(جو لوگ اسلام قبول کریں) ان کا خون حرام ہے اور اسلام لاتے وقت یہ جن اموال کے مالک ہیں، وہ ان ہی کی ملکیت قرار پائیں گے، اسی طرح ان کی اراضی بھی ان ہی کی ملکیت رہیں گی اور عشری قرار دی جائیں گی، جیسا کہ مدینے کی زمین، جہاں کے باشندے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور اپنی زمینوں کے مالک برقرار رہے اور ان کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔ یہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں کے ساتھ بھی کیا گیا۔ اسی طرح جب بادیہ کے باشندے اپنے چشموں اور کنوؤں کے مالک ہونے کی حالت میں اسلام لائے تو وہ ساری چیزیں جن پر اسلام لاتے وقت ان کا قبضہ تھا، وہ ان کی ملکیت تسلیم کی جائیں گی۔

کیوں کہ اسلام لانے کے بعد ان کی زمینیں عشری زمینیں ہوگئیں، اس لیے وہ ان سے اب بے دخل نہیں کیے جاسکتے تھے۔

امام ابوعبید نے بھی یہی بات ''کتاب الاموال'' میں نقل کی ہے، جو پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

أرضٌ أسلم عليها أهلها فهي لهم ملك أيمانهم وهي أرض عشرٍ، لا شيء عليهم فيها غيرهُ (۱۰۶)

قبولِ اسلام کے وقت وہ لوگ جن اراضی کے مالک ہوں، وہ ان ہی کے ملک رہیں گی اور عشری زمین قرار پائیں گی اور ان سے عشر کے سوا کچھ اور نہیں لگے گا۔

۲۔ غیر مملوکہ اراضی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں افتادہ زمینوں کی کمی نہیں تھی۔ ان میں سے بعض اراضی بغیر ملکیت کے تھیں اور بعض انصار کی تھیں، جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے حوالے کردی تھیں۔ (۱۰۷)

اسی سلسلے میں امام ابوعبید حضرت عباسؓ کی روایت بیان کرتے ہیں:

أنّ رسول الله ﷺ لما قدم المدينة جعلوا له كلّ أرض لا يبلغها الماء يصنع بها ما يشاء (۱۰۸)

جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگوں نے وہ تمام زمینیں، جن تک پانی نہیں پہنچتا تھا، نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دی تھیں، تاکہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے انہیں کام میں لائیں۔

مدینہ منورہ میں چوں کہ نئی ریاست تھی اور نئی ریاست کے استحکام کے لیے سب سے ضروری چیز ریاستی وسائل میں اضافہ کرنا ہے اور بنجر زمینوں کی آبادکاری بھی ریاستی وسائل میں اضافے کا سبب بنتی ہیں، چناں چہ اسی بات کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے قدیم اور غیر آباد بنجر اراضی کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

عَادِيُّ الأرض للّٰهِ و لِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ (۱۰۹)

قدیم اور غیر آباد زمینیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں، اس کے بعد تمہارے لیے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ ''اللہ اور اس کے رسول کے بعد تمہارے لیے ہیں'' واضح کرتا ہے کہ یہ زمینیں بعد میں مسلمانوں میں تقسیم کرنا مقصود تھا۔ بنجر اور افتادہ زمینوں کی تقسیم کے متعلق کہنا مشکل ہے کہ ان کی تقسیم کا کام کب عمل میں آیا، کیوں کہ مصادر میں اس کی وضاحت نہیں ملتی، لیکن زمین کی تقسیم کا کام آپ ﷺ نے مدینے جاتے ہی شروع کر دیا تھا، جن میں مکانات کے لیے اراضی شامل ہیں، جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اس کے ثبوت میں ہم حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ یہ مہاجر صحابی بدر میں شہید ہوئے اور بقیع اور مآذن کے درمیان جگہ انہیں اِقطاع کی گئی تھی۔ (۱۱۰) اس کا مطلب زمین کی تقسیم کا کام معرکہ بدر سے پہلے شروع ہو چکا تھا، جو کہ جزوی طور پر تھا، زمین کی باقاعدہ تقسیم تو غزوۂ بنی نضیر کے بعد عمل میں آئی۔

مندرجہ بالا سطور میں تو یہ بات واضح ہو گئی کہ زمین کی تقسیم جزوی طور پر جلد شروع ہو گئی تھی، لیکن بنجر اراضی کی تقسیم کب عمل میں آئی، اس کی وضاحت نہیں ملتی، مگر یہ بات طے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنجر اور افتادہ زمینیں آبادکاری کی غرض سے تقسیم کیں اور جس کو بھی یہ اراضی آپ ﷺ نے عطا کیں، اس پر یہ شرط عائد کی کہ وہ اسے آباد کرے گا۔ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اس بات کی توثیق اپنے ارشادات سے فرمائی، جیسا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَیْتَةً فَهِیَ لَهُ (۱۱۱)

جس شخص نے بنجر زمین آباد کی، وہ اسی کی ملکیت ہوگئی۔

اسی طرح حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَاطَ حَائِطًا عَلٰی اَرْضٍ فَهِیَ لَهُ (۱۱۲)

جس نے کسی (لاوارث) زمین پر کوئی احاطہ بنالیا، تو وہ اسی کی ملکیت ہے۔

یعنی آباد کرنے کی غرض سے احاطہ کھینچا، یہ نہیں کہ قبضہ کرنے کی غرض سے۔

اسی طرح حضرت عروہ بن زبیرؒ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فیصلہ کیا تھا:

اِنَّ الْاَرْضَ اَرْضُ اللّٰهِ وَالْعِبَادَ عِبَادُ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْیٰی مَوَاتًا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (۱۱۳)

زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں تو جس نے کوئی بنجر لاوارث زمین آباد کی تو وہی اس کا مالک ہے۔

لیکن مردہ زمین کو آباد کرنے والے کو ملکیت کا حق عطا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے کچھ باتوں کا پابند بھی بنالیا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ آبادکاری صرف اُس مردہ زمین کی کرنی ہے، جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ مملوکہ بنجر زمین کو آباد کرکے کوئی ملکیت حاصل نہیں کرسکتا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے، جو حضرت سعید بن زید سے مروی ہے:

مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَیْتَةً فَهِیَ لَهُ وَلَیْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ حَقٌّ (۱۱۴)

جس کسی نے کسی مردہ زمین کو زندہ کرلیا، وہ اسی کی ہے اور دوسرے کی زمین میں ناروا طور پر آبادکاری کرنے کے لیے کوئی حق نہیں ہے۔

دوسری پابندی آپ ﷺ نے جو مقرر کی، وہ یہ تھی کہ جسے بنجر زمین اِقطاع کی گئی ہے، اُسے وہ آباد ضرور کرے، خواہ مخواہ ایسے ہی روک کے نہ رکھے اور اگر کوئی شخص تین سال تک وہ زمین آباد نہ کرے تو اس کا حق ملکیت ساقط ہوجائے گا۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

عَادِیُّ الْاَرْضِ لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ ثُمَّ لَكُمْ مِنْ بَعْدُ فَمَنْ اَحْیَا اَرْضًا مَیْتَةً فَهِیَ لَهُ وَلَیْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلٰثِ سِنِیْنَ (۱۱۵)

عادی الارض یعنی قدیم بنجر زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں، پھر اُس کے بعد تمہارے

لیے ہیں، پس جو کوئی مردہ زمین کو آباد کرے، وہ اسی کی ہے اور بے کار روک کر رکھنے والے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔

عہدِ رسالت ﷺ میں اِقطاع کی جانے والی اراضی، چاہے وہ بنجر زمین ہی کیوں نہ ہو، باقاعدہ تحریر کے ذریعے عطا کی جاتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کا یہ قولِ مبارک کہ ''جس نے زمین آباد کی، وہ اُسی کی ہوگئی'' سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ جو کوئی جہاں چاہتا، ڈیرہ ڈال کے قبضہ کرلیتا، بل کہ آپ ﷺ سے باقاعدہ اجازت لی جاتی اور آپ ﷺ اِقطاع فرماتے تھے اور اگر یہ اِقطاع ایسی زمینوں کا ہوتا، جو افادۂ عامہ کے لیے ہوں تو وہ اِقطاع منسوخ بھی کرلیا جاتا تھا۔ اس کے لیے ہم دو مثالیں دے سکتے ہیں۔ پہلی مثال تو ابیض بن جمال کی ہے، جنہیں نمک کی کان اِقطاع کردی گئی تھی اور معلوم ہونے پر یہ عطیہ منسوخ کردیا گیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ابیض بن جمالؓ نے آپ ﷺ سے سدِ مآرب جو کہ نمک کی کان تھی، طلب کی جسے آپ ﷺ نے عطا کردیا، اس پر حضرت اقرع بن حابس تمیمیؓ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں نمک کا وہ ذخیرہ دیکھا ہے، وہ ایسے علاقے میں ہے، جہاں پینے کا پانی نہیں پایا جاتا۔ وہ مسلسل حاصل ہونے والے پانی کی طرح ہے۔

چناں چہ آپ ﷺ نے نمک کی وہ جاگیر حضرت ابیضؓ سے واپس طلب فرمائی اور انہوں نے آپ ﷺ کو اس درخواست کے ساتھ واپس کردی کہ یہ جاگیر ان کی طرف سے صدقہ قرار دے دی جائے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اُن کی یہ درخواست قبول فرمائی۔(۱۱۶)

دوسری مثال حضرت قیلہ بنت مخرمہؓ سے متعلق ہے۔ وہ یہ واقعہ اپنی بیٹیوں سے بیان کرتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ حضرت حریث بن وائلؓ جو کہ قبیلہ بنی بکر سے تعلق رکھتے تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں آگے بڑھے، اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے اسلام پر بیعت کرنے کے بعد انہوں نے ''دھنا'' کا علاقہ، جو ان کے یعنی بنی بکر اور بنی تمیم کے درمیان تھا، مانگ لیا اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ''دھنا'' کا علاقہ ان کے اور بنی تمیم کے درمیان بہ طور سرحد تحریر کردیجیے۔ نبی کریم ﷺ نے درخواست قبول کرتے ہوئے تحریر لکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت قیلہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس کو یہ علاقہ لکھ کردے رہے ہیں تو مجھے بے حد پریشانی ہوئی، کیوں کہ وہ میرا وطن تھا اور میرا گھر بھی وہیں تھا، چناں چہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اس نے آپ ﷺ سے متوسط قسم

کی زمین کا سوال نہیں کیا ہے، (بل کہ عمدہ زمین طلب کی ہے) یہ دھنا اونٹ باندھنے کی جگہ ہے (کہ اونٹ وہاں سے نکلتے ہی نہیں یا نکالے نہیں جاتے، کیوں کہ یہ بہت سرسبز ہے) اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور بنو تمیم کی عورتیں اور بچے ان کے پیچھے (مقیم) ہیں۔ تو آپ ﷺ نے تحریر لکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لڑکے! رک جاؤ، اس مسکین عورت نے سچ کہا ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، پانی اور درخت سب کے فائدے کے لیے ہیں۔ (۱۱۷)

ان دو مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زمین اگر مفادِ عامہ کے لیے ہو تو اِقطاع منسوخ بھی کیا جاتا تھا اور آخری والی مثال میں تو اِقطاع ایک خاتون کے کہنے پر منسوخ ہوا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ خواتین کا مشورہ ان امور میں بھی نہ صرف سنتے تھے، بل کہ مفید ہوں تو مانتے بھی تھے۔

چراگاہ اور چشمے

نبی کریم ﷺ نے بعض مواقع پر پانی اور چراگاہ بھی سرکاری تحویل میں لیے۔ (۱۱۸) اس ضمن میں یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ چوں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں تھے، اس لیے یہ بات تو واضح ہے کہ یہ آپ ﷺ نے جبراً حاصل نہیں کیے، نہ ہی یہ کسی نے عطیہ کیا، یہ وہ تمام مقامات ہیں، جن کی افادیت سے مسلمان بہ حیثیت مجموعی اقتصادی اور معاشی فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ (۱۱۹)

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں مختلف قبائل اور خاندان اپنے لیے چراگاہ مخصوص کرلیا کرتے تھے، جو شروع میں قبضہ وتصرف اور بعد میں ملکیت کے اصول پر مبنی تھیں۔ اسلامی ریاست کے قیام سے قبل مدینے کے لوگوں کی چراگاہیں مدینے کے مضافات میں ہوا کرتی تھیں، جو کہ ہجرت مدینہ کے بعد قبائلی اور اجتماعی چراگاہوں کی بہ جائے از خود ریاستی چراگاہوں میں تبدیل ہوگئیں تھیں، جہاں مسلمانوں اور ریاست کے جانور چرا کرتے تھے۔ (۱۲۰)

یعنی آپ ﷺ نے جو چراگاہیں مقرر کیں، وہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت کی طرح کسی مخصوص قبیلے کی ملکیت نہیں ہوتی تھیں، کیوں کہ چراگاہ قرار دینے کا حق صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ نبی کریم کا ارشاد پاک ہے، جو کہ حضرت صعب بن جثامہؓ سے مروی ہے:

لَا حِمَى إِلاَّ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ (۱۲۱)

کوئی چراگاہ نہیں، مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے۔

ابوعبید کتاب الاموال میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

وتأويل الحمٰى المنتهي عنه فيما نرىٰ. أن تحمٰى الاشياء التى جعل رسول اللّٰه ﷺ الناس فيها شركاء وهى الماء و الكلأ والنار (۱۲۲)

اس حدیث میں چراگاہ سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد اُن اشیا سے منع کر دینا ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں کے لیے مشترکہ قرار دیا اور یہ چیزیں پانی، گھاس اور آگ ہیں۔

متعدد حدیثوں میں نبی کریم ﷺ نے یہ اُصول متعین فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلَاثٍ: فِي الْمَآءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ وَثَمَنُهٗ حَرَامٌ (۱۲۳)

مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ۔ ان کی قیمت لینا حرام ہے۔

دوسری جگہ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے، جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

ثَلَاثٌ لَا يُمْنَعْنَ: اَلْمَاءُ، وَالْكَلَاءُ وَالنَّارُ (۱۲۴)

تین چیزوں سے نہ روکا جائے، پانی، گھاس اور آگ سے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا:

يا رسول اللّٰه ﷺ! ما الشيُ الّذى لاَ يَحِلُّ مَنْعُهٗ؟ قال: الماءُ و الْمِلحُ و النّار (۱۲۵)

اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سی چیزوں سے روکنا حلال نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانی، نمک اور آگ سے۔

ابن ماجہ ابوسعید کا قول نقل کرتے ہیں:

یہاں پانی سے مراد جاری پانی ہے۔ (۱۲۶)

یعنی بہتا ہوا پانی، جیسے دریا، ندی، نہر وغیرہ، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے چشمے اور کنویں اِقطاع کیے ہیں، مگر وہ بہتے ہوئے پانی نہیں تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ابیض بن جمالؓ سے سدِ مآرب کا عطیہ واپس

لے کر منسوخ کیا اور ان کی درخواست پر ان کی طرف سے صدقہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

هُوَ مِنْكَ صَدَقَةٌ وَهُوَ مِثْلُ الْمَآءِ الْعِدِّ، مَنْ وَرَدَهُ أَخَذَهُ (۱۲۷)

وہ تیری طرف سے صدقہ ہے۔ وہ مسلسل حاصل ہونے والی پانی کی طرح ہے، جو وہاں جائے گا، اس میں سے لے لے گا۔

یعنی مسلسل بہتے ہوئے پانی پر مسلمانوں کا حق مشترک ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ نے کنویں بھی اِقطاع کیے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے پانی کو روکنے سے منع فرمایا ہے اور اُسے بیچنے سے بھی، کہ اُسے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو دوسروں کو استعمال کرنے سے نہیں روکنا چاہیے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ، وَلَا يُمْنَعُ نَقْعُ الْبِئْرِ (۱۲۸)

زائد پانی نہ روکا جائے اور کنویں کے پانی سے منع نہ کیا جائے۔

اسی طرح حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں:

نهى رسول الله ﷺ عَنْ بيعِ فضلِ الماء (۱۲۹)

نبی کریم ﷺ نے (ضرورت پوری کرنے کے بعد) بچا ہوا پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

مشہور چراگاہیں

ذیل میں مدینہ منورہ اور اطراف کی چند چراگاہوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

الف: الجماء

مدینہ منورہ کی چراگاہ ایک جگہ تھی، جہاں لوگ اپنے جانور چرایا کرتے تھے۔ الجماء جو کہ ایک پہاڑ تھا اور العقیق کے علاقے سے الجروف تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ چراگاہ مدینے سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ اس سے متعلق ایک واقعہ بھی مشہور ہے کہ ہجرت نبوی ﷺ کے ایک برس بعد مکے کے ایک سردار کرز بن جابر فہری نے اس پر حملہ کیا اور جانوروں کو ہنکا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا تعاقب کیا، لیکن وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ (۱۳۰)

ب: النقیع

نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے جس چراگاہ کو تو میانے کا شرف بخشا، وہ یہی چراگاہ ''النقیع'' تھی۔ نقیع اُس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں پانی کی بہتات ہو۔ چناں چہ یہ نام اسی مناسبت کی وجہ سے پڑا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے بیس فرسخ کے فاصلے پر وادی عقیق کے درمیان، جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں اور زرخیز ہموار زمین ہے، واقع ہے۔ اس میں سبزیاں، پھول اور جنگلی قسم کے درخت بوئے گئے۔ جن میں گل لالہ، (شقرا) بیری، سیال، ایک کانٹے دار سفید دراز قد درخت، عرف (اس کے پتوں سے چمڑا رنگا جاتا ہے) سلم، کیکر، کھجوریں، جو، گیہوں، غرض اس کے مختلف حصوں میں درخت اور سبزیاں لگائی گئیں اور پھر اس خطے کے پھلنے پھولنے کا یہ عالم تھا کہ اگر اس میں گھڑ سوار داخل ہو جائے تو نظر نہیں آتا تھا۔ (۱۳۱)

ج: ذوالجدر

ابن سعد کے مطابق یہ چراگاہ مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر قبا کے علاقے میں واقع تھی۔ جہاں ''عیر'' کے قریب آپ ﷺ کے اونٹ اور اونٹنیاں چرتے تھے۔ (۱۳۲) جب کہ واقدی کے مطابق یہ مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ (۱۳۳)

شوال ۶ھ، فروری، مارچ ۶۲۸ء (۱۳۴) میں قبیلہ عُرینہ کے آٹھ آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔

مدینے کی خراب آب وہوا کے پیش نظر آپ ﷺ نے انہیں اپنی اس چراگاہ بھیج دیا۔ وہاں وہ لوگ خوب تن درست ہو گئے اور ایک دن حملہ کر کے آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت یسارؓ، جو وہاں چراگاہ کی دیکھ بھال کے لیے مقرر تھے، کو شہید کر کے آپ ﷺ کے اونٹ ہنکا کے لے گئے، مگر نبی کریم ﷺ نے ان کا تعاقب کروایا اور انہیں گرفتار کر کے سولی دے دی گئی اور اونٹنیاں، جن کی تعداد پندرہ تھی، واپس لائی گئیں، جس میں سے آپ ﷺ کی ایک اونٹنی کو، جس کا نام ''الحناء'' تھا، انہوں نے ذبح کر دیا تھا۔ (۱۳۵)

د: الغابہ

الغابہ مدینے سے ایک برید کے فاصلے پر شام کے راستے پر واقع تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی دودھ

دینے والی بیس اونٹنیاں تھیں، جو الغابہ میں چرتی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ کے بیٹے اُن کی حفاظت پر مامور تھے۔(۱۳۶)

آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے دو آدمی رکھے ہوئے تھے، جو یہاں ان کے جان وروں کو چرایا کرتے تھے۔ واقدی نے حضرت مقداد بن عمر اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا صراحتاً ذکر کیا ہے، جن کے مویشی یہاں چرائے جاتے تھے۔(۱۳۷)

ان چراگاہوں کے بارے میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان چراگاہوں میں نہ صرف مسلمان اپنے جان ور چرایا کرتے تھے، بل کہ ان چراگاہوں سے اور بھی فوائد حاصل ہوتے تھے، جیسے کہ کھجور کے درخت، جان وروں کے لیے ببول، بیری، چمڑے کو رنگنے والے، یعنی یہ سب ان چراگاہوں سے حاصل ہوتے تھے۔(۱۳۸) جن سے مسلمان استفادہ کرتے تھے۔

۳۔ غنیمت یا فے میں ملنے والی اراضی سے متعلق نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

اب ہم ان زمینوں کے متعلق نبی کریم ﷺ کے طرزِ عمل یا سنت طیبہ کا مطالعہ کریں گے، جو آپ کے زیر دست غنیمت یا فیٔ کی صورت میں آئی تھیں۔

الف: اراضیٔ بنونضیر

باقاعدہ طور پر جو اراضی مسلمانوں کے تصرف یا قبضے میں بہ طورِ مال فے آئیں، وہ مدینہ منورہ کے مال دار یہودی قبائل بنونضیر کی تھیں، جن کو اُن کی عہد شکنی اور مسلمانوں کے خلاف دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کی گئی ریشہ دوانیوں کے جرم میں مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا۔ یہ وہ پہلا مالِ فے ہے، جو نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے خاص فرمایا اور جس کو مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا۔(۱۳۹) کیوں کہ یہ آپ ﷺ کا حق تھا، جو آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص فرمایا تھا۔(۱۴۰) جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے متعلق سورۂ حشر میں ارشاد فرمایا:

وَمَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○(۱۴۱)

اور اے مسلمانو! جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے بغیر جنگ کے دلوایا ہے، اس میں تمہارا کچھ حق نہیں، کیوں کہ اس کے لیے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے، نہ اونٹ، لیکن خدا

اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے، مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آگے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۱۴۲)

جو کچھ دولت اور مال بستی والوں کا خدا نے اپنے رسول ﷺ کو دیا تو وہ خدا اور رسول اور اُن کے قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، تاکہ وہ مال و دولت تمہارے اُمرا کے ہاتھوں میں پھرنے والا نہ ہو۔ اور جو کچھ رسول تم کو دیں، وہ لے لو اور جو نہ دیں، اُس سے باز رہو۔

اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ حشر بنی نضیر کے بارے میں نازل فرمائی ہے۔ ان آیات مبارکہ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن پر بغیر جنگ کیے غالب فرمایا۔ آگے ان اموال کو تقسیم کرنے اور ان پر اللہ کے رسول کے حق ہونے کا بیان فرما دیا ہے، کیوں کہ آیت کے الفاظ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ کا مطلب جو مال و دولت اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دیا ہے، اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ یہ اموال اللہ نے اپنے نبی کو دیے ہیں کہ وہ آگے انہیں غریبوں، مسکینوں، مسافروں کی فلاح کے لیے استعمال کرے، تاکہ دولت مال دار طبقے میں گردش نہ کرے اور نبی کریم ﷺ قرآن کے بتائے ہوئے ضابطے کے تحت جیسے چاہیں، تصرف میں لائیں۔

چوں کہ یہ سارا مال آپ ﷺ کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مخصوص کر دیا گیا تھا، چناں چہ آپ ﷺ نے ان اموال کے پانچ حصے نہیں کیے، بل کہ جتنا چاہا، اس میں سے دیا۔ (۱۴۳)

ب: بنونضیر کے اموال کی تقسیم

نبی کریم ﷺ نے بنونضیر کے اموال کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ بات تو ہم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنی نضیر کے یہود کے غنائم کو اس طرح تقسیم نہیں کیا، جیسے مالِ غنیمت کو مسلمان جنگ جوؤں میں تقسیم کیا جاتا ہے، بل کہ آپ ﷺ نے بنونضیر کی اراضی مہاجرین میں تقسیم کی۔ اس تقسیم کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انصار کو بہ غرض مشورہ بلایا اور اُن سے دریافت فرمایا:

ليست لاخوانكم من المهاجرين اموال فان شئتم قسمت هذه اموالكم بينكم و بينهم جميعًا و ان شئتم امسكتم أموالكم وقسمت هذه فيهم خاصة فقالوا بل اقسم هذه فيهم وات لهم من اموالنا ما شئت(۱۴۴)

تمہارے مہاجرین مسلمان بھائیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے پاس کسی قسم کا مال و اسباب نہیں ہیں، اس لیے اگر تم چاہو تو تمہاری املاک اور بنونضیر کی متروکہ املاک کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور پھر ان اموال کو مجموعی طور پر تم دونوں پر تقسیم کر دیا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ تم اپنی جائیدادیں بہ دستور اپنے پاس رکھو اور مفتوحہ اراضی کو مہاجرین میں بانٹ دیا جائے۔ اس پر انصار نے جواب دیا کہ یہ مال تو آپ ﷺ ان ہی میں تقسیم فرما دیجیے اور ہمارے اموال سے بھی جتنا چاہیں لے کر ان کو عنایت فرما دیجیے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انصار کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے سورۂ حشر کی آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۴۵)

اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے اس گھر، یعنی مدینے میں مقیم ہیں اور ایمان میں مضبوط ہیں اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں، وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا، اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں، خواہ وہ خود فاقے سے ہوں اور جو شخص خود غرضی سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

چناں چہ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے بنونضیر کی مفتوحہ اراضی مہاجرین میں تقسیم کی۔ ان اموال میں سے صرف دو انصاری صحابہ حضرت سہل بن حنیفؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کو عطا کیا، کیوں کہ یہ حضرات ضرورت مند تھے۔(۱۴۶)

ابن سعد نے ان میں سے کچھ صحابہ کرامؓ کے جن کو عطا ہوا، نام بیان کیے ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بیئر خیبر۔

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ کو بیئر جرم۔

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو سوالہ نامی جائیداد۔

۴۔ حضرت صہیب بن سنانؓ کو الضراطہ نامی جائیداد دی گئی۔

۵۔ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما کو البویلہ میں مشترکہ جائیداد ملی۔

۶۔ حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ابن خرشہ کے اموال دیے۔ (۱۴۷)

آں حضرت ﷺ نے مہاجرین میں اموال تقسیم کرنے کے ساتھ ہی مہاجرین کو انصار کے تمام اموال واپس کرنے کا حکم دیا، کیوں کہ بنونضیر کے اموال سے مہاجرین کی ضرورت پوری ہوگئی تھی اور اب انہیں انصار کے اموال کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ (۱۴۸)

یہود میں سے دو اشخاص یامین بن عمیر اور سعید بن وہب مسلمان ہوئے، اس لیے ان کے اموال و اسباب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور انہیں ویسے ہی برقرار رکھا گیا۔ (۱۴۹)

بنونضیر کی اراضی کا اندازہ ان جائیدادوں کے تذکرے سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر مال و جائیداد عطا فرمائے تھے اور ان پر رحم فرما کر ان کے حالات کو وسعت بخشتے ہوئے ان کی تنگی وعسرت کو دور فرمادیا تھا۔

ج: اراضی خیبر کا انتظام

خیبر ایک نخلستان تھا (۱۵۰) جو کہ مدینہ منورہ کے شمال میں تقریباً آٹھ برد کے فاصلے پر واقع تھا۔ (۱۵۱) یہ ایک بڑا شہر تھا، جس میں قلعے بھی تھے اور کھیتیاں بھی (۱۵۲) اور بے شمار باغات بھی تھے۔ (۱۵۳) یہودیوں کی زبان میں لفظ خیبر کے معنی حویلی کے ہیں اور اس شہر میں بہت سی حویلیاں اور گڑھیاں واقع تھیں، اس لیے اس بستی کو ''خیابر'' کہا جاتا تھا۔ (۱۵۴)

مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے کے بعد بنونضیر خیبر میں جا کر آباد ہوئے، لیکن وہاں جانے کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سازشوں اور روایتی دشمنی کو نہ چھوڑا۔ چناں چہ ان ہی کی حوصلہ

افزائی سے غزوۂ خندق پیش آیا تھا۔ یہ مسلمان ریاست کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ چناں چہ ان سے نبٹنے کے لیے نبی کریم ﷺ صلح حدیبیہ کے ایک مہینے بعد چودہ سو مسلمانوں پر مشتمل لشکر کے ہم راہ مدینے سے خیبر روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف وہی لوگ جاسکتے تھے، جو صلح حدیبیہ کے وقت آپ ﷺ کے ہم راہ تھے۔ (۱۵۵) آپ ﷺ ان مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوئے، تاکہ یہودیوں کی سازش کا قلع قمع کرسکیں۔ چناں چہ آپ ﷺ نے یہودیوں کے تمام قلعے فتح کرلیے۔ خیبر میں قلعوں کے تین سلسلے تھے: نطاۃ، شق، کتیبہ۔

۱۔ قلعہ نطاۃ: یہ تین قلعوں ناعم، صعب اور قلعے پر مشتمل تھا۔

۲۔ قلعہ شق: دو قلعوں اُبی اور بریٔ پر مشتمل تھا۔

۳۔ قلعہ کتیبہ: تین قلعوں قموص، وطیح اور سلالم پر مشتمل تھا۔ (۱۵۶)

خیبر اس زمانے کی عربی بستیوں کی طرح متعدد چھوٹے چھوٹے قبائلی محلوں پر مشتمل تھا اور ہر محلے کا انتظام مستقل تھا۔ دفاعی لحاظ سے وہ سات بڑے اور متعدد چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے، جن میں سے بعض میں منجنیقیں بھی نصب تھیں۔ سب سے پہلے ناعم کا قلعہ فتح ہوا، پھر اندرون شہر کا قلعہ قموص فتح ہوا، پھر حصن الشق، حصن النطاۃ اور حصن الکتیبہ سر ہوئے۔ اس کے بعد حصن الوطیح اور حصن السلالم کوئی دو ہفتوں کی کش مکش کے بعد فتح ہوئے۔ (۱۵۷)

جب نبی کریم ﷺ نے خیبر فتح کرلیا تو وہاں کے یہودیوں کی آپ ﷺ نے جان بخشی کردی اور ان سے اس شرط پر صلح کرلی کہ قلعے میں جو فوج ہے، اس کی جان بخشی کردی جائے گی اور وہ اپنے بال بچوں کو لے کر خیبر کی سرزمین سے باہر نکل جائیں گے اور زمین، سونے چاندی اور مال و اسباب سمیت مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیں گے۔ (۱۵۸)

جب نبی کریم ﷺ نے یہودِ خیبر کی جان بخشی کی اور انہیں جلاوطن کردیا تو یہود نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! ہمیں اسی زمین میں رہنے دیجیے، ہم اس کی اصلاح کریں گے اور اس کی حفاظت کریں گے، کیوں کہ ہم آپ ﷺ کی بہ نسبت یہاں سے زیادہ واقف ہیں۔ چوں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے پاس اتنے آدمی نہ تھے، جو اس کا انتظام سنبھال سکتے اور وہ خود اس کی حفاظت کے لیے فراغت نہیں رکھتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے انہیں خیبر کا علاقہ اس شرط پر دے دیا کہ جو پیداوار اور پھل ہو، اس کا نصف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا ہوگا اور آدھا یہود رکھیں گے۔ چناں چہ

آپ ﷺ پیداوار کا تخمینہ لگانے کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا کرتے تھے۔(۱۵۹)

فتوح البلدان میں اراضی کے انتظام کے متعلق لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر چھتیس حصوں پر تقسیم فرمایا اور ہر حصے کے سو حصے فرمائے۔ نصف حصے کو اپنی ضرورتوں اور مہمانوں کے لیے مخصوص فرمایا اور نصف مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔

رسول اللہ ﷺ کے حصے میں الشق، النطاۃ اور ان کے متعلقات تھے اور جو حصہ آپ ﷺ نے وقف فرمایا، وہ الکتیبہ اور سلالم تھے۔ جب تمام زمینیں رسول اللہ ﷺ کی قبضے میں آگئیں تو بونے، جو تنے والوں کی قلت کے باعث پیداوار کی آدھی بٹائی پر معاملہ فرما کر ان ہی کے حوالے فرمادیا۔ یہ عمل آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد تک جاری رہا، لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو ان کی سازشوں کی وجہ سے جلاوطن کردیا اور خیبر کی زمین اُن مسلمانوں میں جن کا یہ حصہ تھی، تقسیم کردی۔(۱۶۰)

یعنی نبی کریم ﷺ نے خیبر کی مفتوحہ اراضی کو آدھی بٹائی پر یہودِ خیبر کے پاس رہنے دیا، تاکہ وہ زمینوں کی دیکھ بھال کریں اور ان زمینوں سے حاصل ہونے والی پیداوار کا نصف مسلمانوں کو دے دیں اور یہ زمینیں چوں کہ مسلمان فتح کر چکے تھے، چناں چہ یہود کی ملکیت وہ نہیں رہی تھیں۔ ان کی حیثیت زمین پر کام کرنے والے کی تھی اور نصف پیداوار وہ زمین پر کام کرنے کے معاوضے کے طور پر حاصل کرتے تھے۔

د: فدک کی اراضی

فدک مدینہ منورہ سے دو روز کے فاصلے پر ایک شاداب بستی تھی، جہاں کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغات تھے،(۱۶۱) جو آج کل ''حائل'' کے علاقے میں ''حالط'' کے نام سے معروف ہے۔(۱۶۲) نبی کریم ﷺ نے خیبر پہنچ کر حضرت صحیعہ بن مسعودؓ کو فدک کی بستی والوں کے پاس بھیجا، تاکہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں، مگر وہ خیبر کی جنگ کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے، لہٰذا انہوں نے تاخیر کی (۱۶۳) لیکن جب انہیں خیبر کے فتح ہونے کی خبر ملی تو ان کے دلوں میں بھی آپ ﷺ کا رعب پڑ گیا۔ چناں چہ انہوں نے اپنا نمائندے یوشع بن نون (۱۶۴) کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر کی طرح معاملہ کیا جائے اور خیبر کی طرح اُن سے بھی نصف

پیداوار پر مصالحت کی جائے۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ درخواست قبول فرمائی، چوں کہ فدک بغیر جنگ اور لشکر کشی کے فتح ہوا تھا۔ اس سبب سے یہ آپ ﷺ کے لیے مخصوص تھا۔ (۱۶۵)

فتوح البلدان میں فدک زمین سے متعلق لکھا گیا ہے کہ فدک کے سردار یوشع بن نون نے آپ ﷺ کو فدک کی آدھی زمین دے کر صلح کرنی چاہی، جو آپ ﷺ نے منظور فرمالی۔ اس وجہ سے آدھا فدک خاص نبی کریم ﷺ کا ہوگیا، کیوں کہ اس کو مسلمانوں نے جنگ سے فتح نہیں کیا تھا۔ (۱۶۶)

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے تین غنیمتیں تھیں (تین اموال مخصوص تھے) بنی نضیر، فدک اور خیبر کے اموال۔ چناں چہ بنونضیر کی اراضی آپ ﷺ کی ضروریات اور آپ ﷺ کے اہل وعیال کے اخراجات کے لیے تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے تھی اور خیبر کے اموال کے آپ ﷺ نے تین حصے فرمائے تھے۔ (۱۶۷)

۵۔ وادی القریٰ

نبی کریم ﷺ خیبر سے واپسی میں وادی القریٰ تشریف لے گئے، وہاں بھی یہود آباد تھے۔ (۱۶۸) نبی اکرم ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے قبول نہیں کی اور جنگ کی۔ رسول اللہ ﷺ کو فتح نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال وجائیداد آپ ﷺ کے لیے غنیمت فرمادیے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے خمس لے لیا اور اراضی ونخلستان ان ہی کے پاس رہنے دیے اور ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمایا، جیسا اہل خیبر کے ساتھ فرمایا تھا (۱۶۹) کہ ان زمینوں کی آب یاری، کاشت وغیرہ یہی لوگ کریں گے اور پیداوار کے وقت آدھے حصے کے حق دار ہوں گے جو کہ ان کے کام کرنے کی اجرت ہوگی۔

۴۔ معاہد کی اراضی سے متعلق نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

معاہد، یعنی وہ افراد یا قبیلہ جنہوں نے اپنے سابقہ دین پر رہتے ہوئے آپ ﷺ سے معاہدہ کرلیا اور اس معاہدے کے ذریعے وہ آپ ﷺ کے تابع ہوگئے۔ معاہدے کی رو سے انہیں آپ ﷺ کو جزیہ وخراج ادا کرنا ہوتا تھا اور وہ اپنی زمینوں اور اموال پر بہ دستور مالک رہتے تھے۔ (۱۷۰)

آپ ﷺ معاہد اور اہل ذمہ کے حقوق کا کس قدر لحاظ اور خیال رکھتے تھے، اس کا اندازہ آپ ﷺ کے ان الفاظ سے ہوجاتا ہے، جو ابوداؤد میں آپ ﷺ کے اس ارشاد میں مذکور ہیں:

اَلاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِانْتَقَصَهُ اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيب

نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَة (۱۷۱)

- خبردار! جو شخص کسی معاہد ذمی پر ظلم کرے گا یا ازروئے معاہد اس کے جو حقوق ہوں، ان کے اندر کوئی کمی کرے گا یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اُس سے اُس کی رضا مندی کے بغیر کوئی چیز لے گا تو اس کے خلاف میں خود قیامت کے روز مدعی بنوں گا۔

جن جن علاقوں اور قبیلوں میں نبی کریم ﷺ نے معاہدہ یا صلح کی، اُن میں تیماء، تہران، اَیلہ، اَزرعات، ہجر وغیرہ شامل ہیں۔

حوالے

۱۔ Safi Omid.The Politics ofKnowledge in premodern Islam.ThiUniverticyof North Carolina Press2006:pp87

۲۔ عثمانی، محمد رفیع۔ اسلام میں غلامی کا تصوّر۔ بیت العلوم لاہور۔ س ن: ص ۱۶

۳۔ امام مسلم۔۔ صحیح مسلم۔ داراحیاء الکتب العربیہ القاہرہ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء: کتاب الایمان، باب إطعام المملوک مما یأکل، ص ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، حدیث ۱۶۶

۴۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ مکتبہ خان جی، قاہرہ ۲۰۰۱ء: ج ۳، ص ۲۱۳

۵۔ ایضاً

۶۔ مسلم: حدیث ۱۶۶

۷۔ ایضاً

۸۔ اسلام میں غلامی کا تصوّر: ص ۳۱، ۳۲

۹۔ رحمانی، مفتی عبدالرحمٰن۔ الجہاد الاسلامی۔ دارالاندلس، س ن: ص ۳۰۷

۱۰۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح۔ دارطوق النجاۃ،، بیروت ۱۴۲۲ھ: جزء الثالث، کتاب العتق، باب فی العتق وفضلہ قولہ تعالیٰ، ص ۱۴۴، حدیث ۲۵۱۷

۱۱۔ القرآن الکریم۔ النساء: ۹۲

۱۲۔ القرآن الکریم۔ المجادلۃ: ۳

۱۳۔ بخاری: جزء الثالث کتاب الصوم، باب المجامع فی رمضان ۲۰۱۰ ص ۳۲، حدیث ۱۹۳۷

۱۴۔ القرآن الکریم۔ المائدہ: ۸۹

۱۵۔ اسلام میں غلامی کا تصوّر: ص ۲۵، ۲۶

۱۶۔ https://archive.org/stream/IslamTheMisunderstoodReligion.pdf/IslamTheMisunderstoodReligion#/n43/mode/1up

۱۷۔ امینی، محمد تقی۔ اسلام کا زرعی نظام۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۹۷: ص ۱۷۸

۱۸۔ https://archive.org/stream/IslamTheMisunderstoodReligion.pdf/IslamTheMisunderstoodReligion#page/n44/mode/1up

۱۹۔ ibid.

۲۰۔ اسلام کا زرعی نظام: ص ۱۷۹

۲۱۔ ایضاً: ص ۱۸۰

۲۲۔ https://archive.org/stream/IslamTheMisunderstoodReligion.pdf/IslamTheMisunderstoodReligion#/page/n45/mode/1up.

۲۳۔ https://archive.org/stream/IslamTheMisunderstoodReligion.pdf/IslamTheMisunderstoodReligion#page/n47/mode/1up.

۲۴۔ https://archive.org/stream/IslamTheMisunderstoodReligion.pdf/IslamTheMisunderstoodReligion#page/n45/mode/1up.

۲۵۔ https://archive.org/stream/IslamTheMisunderstoodReligion.pdf/IslamTheMisunderstoodReligion#/page/n43/mode/1up.

۲۶۔ الطبری، لابی جعفر محمد بن جریر۔ تاریخ الرسل والملوک۔ دار المعرف، مصر، قاھرہ، ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء: ج ۳، ص ۳۹۴۔ حمید اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی حکم رانی و جانشینی۔ مترجم: خالد پرویز۔ بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۶ء: ص ۷۵۔

۲۷۔ حمید اللہ، ڈاکٹر۔ خطبات بہاولپور۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، پاکستان ۲۰۰۵ء

۲۸۔ قادری، شمیم حسین۔ اسلامی ریاست قرآن وسنت کی روشنی میں۔ علما اکیڈیمی شعبۂ مطبوعات محکمۂ اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۸۴ء: ص ۱۱

۲۹۔ ڈوگر، محمد رفیق۔ الامین۔ دید شنید پبلشرز، لاہور ۲۰۹ء۔ اسلامی ریاست قرآن وسنت کی روشنی میں: ص ۷۱۔

۳۰۔ اسلامی ریاست قرآن وسنت کی روشنی میں: ایضاً۔

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ الانعام: ۸

۳۳۔ ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت۔ قاضی پبلشرز، دہلی ۱۹۸۸ء: ص ۳۷۲۔

۳۴۔ المائدۃ: ۴۸

۳۵۔ النسآء: ۶۵

۳۶۔ الاحزاب: ۳۶

۳۷۔ النسآء: ۵۹

۳۸۔ النجم: ۳، ۴

۳۹۔ الاحقاف: ۹

۴۰۔ ابوداؤد۔ السنن۔ الرسالۃ العالمیہ، بیروت: کتاب الخراج والفئی والامارۃ، حدیث ۳۰۷۶

۴۱۔ ایضاً: باب کیف کان خراج الیہود، حدیث ۳۰۰۳

۴۲۔ اصلاحی۔ امین احسن۔ تاریخ ساز مدبر۔ سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر۔ اپریل ۱۹۹۲ء: ج ۲، ص ۳۶

۴۳۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست: ص ۴۲

۴۴۔ زرعی منصوبہ بندی: ص ۶۴

۴۵۔ مبارک پوری، صفی الرحمٰن۔ الرحیق المختوم۔ المکتبۃ السلفیہ، لاہور ۲۰۰۳ء: ص ۲۴۴

۴۶۔ النسآء: ۱۰۰

۴۷۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ۔ الجامع السنن۔ دار غرب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۶ء: ج ۳، ص ۳۵۳، رقم ۱۶۰۵

۴۸۔ ایضاً: ص ۳۵۲، رقم ۱۶۰۴

۴۹۔ عمری۔ اکرم ضیا۔ مدنی معاشرہ عہد رسالت میں۔ مترجم: عذرا نسیم فاروقی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۲۰۰۵ء: ص ۵۰

۵۰۔ ایضاً: ص ۸۲

۵۱۔ شوقی، ابوخلیل۔ اٹلس سیرت نبوی۔ دار السلام، ریاض ۱۴۲۴ھ: ص ۱۵۴

۵۲۔ ندوی، محمد رابع۔ جزیرۃ العرب۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴: ص ۲۴۱

۵۲۔ قاسمی، مسعود عالم۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شہری منصوبہ بندی۔ ششماہی السیرۃ عالمی۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۵ء: شمارہ ۱۴، ص ۱۳۸

۵۴۔ جزیرۃ العرب: ص ۲۴۲

۵۵۔ حمید اللہ، ڈاکٹر۔عہد نبوی ﷺ کے میدانِ جنگ۔نئی دہلی ۲۰۰۱ء:ص ۵

۵۶۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شہری منصوبہ بندی

۵۷۔ نجیب آبادی۔تاریخ اسلام۔دارالاندلس،لاہور ۱۴۲۶ھ:ج ۱،ص ۱۶۳

۵۸۔ مدنی معاشرہ عہد رسالت میں:ص ۸۸

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ عہدِ نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست:ص ۳۷۲

۶۱۔ مدنی معاشرہ عہد رسالت میں:ص ۸۸

۶۲۔ الطبقات:ج ۳،ص ۱۶۰

۶۳۔ عہدِ نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست:ص ۳۱۶

۶۴۔ الطبقات:ص ۲۵۳

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ ایضاً:ص ۴۹

۶۷۔ ایضاً:ص ۹۶

۶۸۔ ایضاً:ص ۱۱۷

۶۹۔ ایضاً:ص ۱۳۰

۷۰۔ ایضاً:ص ۱۴۱

۷۱۔ ایضاً:ص ۱۴۸

۷۲۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست:ص ۳۱۶۔

۷۳۔ الطبقات:ج ۳،ص ۱۹۸

۷۴۔ ایضاً:ص ۲۲۱

۷۵۔ ایضاً:ص ۲۲۵

۷۶۔ ایضاً:ص ۲۳۲

۷۷۔ ایضاً:ص ۲۶۸

۷۸۔ ابوداؤد:کتاب الخراج والفئی،باب فی اقطاع الارضین،حدیث ۳۰۶۰

۷۹۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست:ص ۳۷۳

۸۰۔ الطبقات: ج ۴، ص ۱۸

۸۱۔ ایضاً: ج ۵، ص ۲۷

۸۲۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت: ص ۳۷۳۔

۸۳۔ ابوعبید قاسم بن سلام۔ کتاب الاموال۔ دارالہدی النبوی، مصر ۲۰۰۷ء: ص ۳۸۸

۸۴۔ زرعی منصوبہ بندی: ص ۶۶

۸۵۔ صحیح بخاری: ج ۳، ص ۲۳، حدیث ۱۸۸۷

۸۶۔ زرعی منصوبہ بندی: ص ۶۶

۸۷۔ الطبقات: ج ۳، ص ۱۴۱

۸۸۔ زرعی منصوبہ بندی: ص ۶۶

۸۹۔ محمد شفیع، مفتی۔ اسلام کا نظام اراضی۔ دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۹ء: ص ۱۹

۹۰۔ ایضاً

۹۱۔ محمد طاسین، مولانا۔ مروجہ زمین داری اور اسلام۔ مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، س ن: ص ۴۹

۹۲۔ ابو یوسف۔ کتاب الخراج۔ دارالمعرفہ، بیروت ۱۹۷۹ء: ص ۶۳

۹۳۔ اسلام کا نظام اراضی: ص ۲۰

۹۴۔ ایضاً: ص ۲۲، ۲۳

۹۵۔ مروجہ زمین داری اور اسلام: ص ۴۱

۹۶۔ اسلام کا نظام اراضی: ص ۳۲

۹۷۔ کتاب الاموال: ص ۱۱۵

۹۸۔ ایضاً

۹۹۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا۔ معاشیات اسلام۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۹۸ء: ص ۱۹۴

۱۰۰۔ کتاب الاموال: ص ۱۱۶

۱۰۱۔ ایضاً

۱۰۲۔ اسلام کا نظام اراضی: ص ۳۳

۱۰۳۔ ابوداؤد: کتاب الخراج، باب اِقطاع الارضین، حدیث ۳۰۶۷

۱۰۴۔ صحیح مسلم: ج ۱، ص ۵۲

۱۰۵۔ کتاب الخراج: ص ۶۳

۱۰۶۔ کتاب الاموال: ص ۱۱۵

۱۰۷۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت: ص ۳۲۲

۱۰۸۔ کتاب الاموال: ص ۳۹۷

۱۰۹۔ ایضاً: ص ۳۸۸

۱۱۰۔ رسول اکرم ﷺ کی زرعی منصوبہ بندی: ص ۶۷

۱۱۱۔ ترمذی: ج ۳، ص ۵۵، حدیث ۱۳۷۹

۱۱۲۔ ابوداؤد: ص ۶۸۵

۱۱۳۔ ایضاً: حدیث ۳۰۷۷

۱۱۴۔ ایضاً: حدیث ۳۰۷۳

۱۱۵۔ کتاب الخراج: ص ۶۵

۱۱۶۔ ابن ماجہ، السنن۔ مکتبۃ المعارف، ریاض، س ن: حدیث ۲۴۷۵

۱۱۷۔ ابوداؤد: حدیث ۳۰۷۰

۱۱۸۔ زرعی منصوبہ بندی: ص ۶۷

۱۱۹۔ ابن حکیم، غلام مصطفیٰ۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کی قائم کردہ چراگاہیں۔ نقوش رسول نمبر: ج ۹، ص ۱۸۴

۱۲۰۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت: ص ۳۶۹

۱۲۱۔ کتاب الاموال: ص ۴۱۳

۱۲۲۔ ایضاً

۱۲۳۔ ابن ماجہ: حدیث ۲۴۷۲

۱۲۴۔ ایضاً: حدیث ۲۴۷۳

۱۲۵۔ ایضاً: حدیث ۲۴۷۴

۱۲۶۔ ایضاً: حدیث ۲۴۷۲

۱۲۷۔ ایضاً: حدیث ۲۴۷۵

۱۲۸۔ ایضاً: حدیث ۲۴۷۹

۱۲۹۔ ایضاً: حدیث ۲۴۷۷

۱۳۰۔ الطبقات: ج ۲، ص ۸

۱۳۱۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کی قائم کردہ چراگاہیں۔ نقوش رسول نمبر: ج ۹، ص ۱۸۴

۱۳۲۔ الطبقات: ج ۲، ص ۸۹

۱۳۳۔ واقدی، محمد بن عمر۔ کتاب المغازی۔ ۱۹۸۴ء: ج ۲، ص ۵۶۸

۱۳۴۔ عہد نبوی ﷺ میں تنظیم ریاست وحکومت: ص ۳۷۰

۱۳۵۔ الطبقات: ج ۲، ص ۸۹

۱۳۶۔ ایضاً: ص ۷۶

۱۳۷۔ واقدی: ج ۲، ص ۵۳۸

۱۳۸۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کی قائم کردہ چراگاہیں: ج ۹، ص ۱۸۶

۱۳۹۔ حلبی، علی بن برہان الدین۔ انسان العیون۔ مترجم: محمد اسلم قاسمی۔ دار الاشاعت، کراچی ۲۰۰۹ء: ص ۲۶۱۔

۱۴۰۔ ایضاً: ۲۶۲

۱۴۱۔ الحشر: ۶

۱۴۲۔ الحشر: ۷

۱۴۳۔ حلبی: ج ۴، ص ۲۶۲

۱۴۴۔ بلاذری۔ فتوح البلدان۔ موششۃ المعارف، بیروت: ص ۳۰۔

۱۴۵۔ الحشر: ۹

۱۴۶۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۱۴۵

۱۴۷۔ الطبقات: ج ۲، ص ۵۵

۱۴۸۔ حلبی: ج ۴، ص ۲۶۳

۱۴۹۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۱۴۵

۱۵۰۔ اٹلس سیرت: ص ۳۳۰

۱۵۱۔ الطبقات: ج ۲، ص ۱۰۰

۱۵۲۔ الرحیق المختوم: ص ۴۹۷

۱۵۳۔ حلبی: ج ۵، ص ۱۱۵

۱۵۴۔ ایضاً

۱۵۵۔ الرحیق المختوم: ص ۴۹۸

۱۵۶۔ اٹلس سیرت: ص ۳۲۹

۱۵۷۔ اٹلس سیرت: ص ۳۳۰

۱۵۸۔ بلاذری: قسم اول، ص ۳۳

۱۵۹۔ ابن قیم۔ زاد المعاد۔ موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۸ء: ج ۳، ص ۲۹۰

۱۶۰۔ بلاذری: قسم اول، ص ۳۷

۱۶۱۔ جزیرۃ العرب: ص ۲۷۵

۱۶۲۔ اٹلس سیرت: ص ۳۳۱

۱۶۳۔ حلبی: ج ۵، ص ۱۷۰

۱۶۴۔ بلاذری: قسم اول، ص ۴۱

۱۶۵۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۱۳۰۱

۱۶۶۔ بلاذری: قسم اول، ص ۴۱

۱۶۷۔ ایضاً

۱۶۸۔ حلبی: ج ۵، ص ۱۹۳

۱۶۹۔ بلاذری۔ فتوح البلدان: قسم اول، ص ۴۷

۱۷۰۔ ابوداؤد: حدیث ۳۰۵۲

۱۷۱۔ ابوداؤد: حدیث ۳۰۵۲